برنارڈ ہارٹ

نفسیاتِ جنوں

مصنف

برنارڈ ہارٹ

مترجم

عبیدہ زمان

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔I، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066

Nafsiyat-e-Junoon

By : Bernard Hart

سنہ اشاعت :

پہلا اڈیشن : 1978

دوسرا اڈیشن : 1999 تعداد 1100

قیمت : -/38

سلسلۂ مطبوعات : 834

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔I، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

طابع : میکاف پرنٹرس، ترکمان گیٹ، دہلی۔110006

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

ڈائریکٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست عنوانات

دیباچہ

یہ کتاب نفسیات جنوں کے متعلق کوئی جامع تحریر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی ہے. مختلف آزاد مکاتب فکر کی موجودگی اور تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں ان کے نظریات اور طریقوں کے درمیان بنیادی اختلافات کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ سب باتوں کا احاطہ اس مختصر سی کتاب میں ہو سکے. یہاں تو صرف اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ نفسیات بے اعتدالی کے سلسلے میں کی جانے والی کچھ ایسی حالیہ تحقیقات کا ذکر کر دیا جائے جن کے نتائج بنیادی اہمیت حاصل کر چکے ہیں، اور جن کی مدد سے اس موضوع کے سلسلہ میں آئندہ کی تحقیقات کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

اس کتاب میں موضوع کو ایسی ہموار ترتیب سے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے کہ ان عام قوانین پر کہ جن کا ثابت کرنا مقصود ہے ممکنہ حد تک روشنی ڈالی جاسکے. کتاب کے ترتیبی نظام اور اختصار کے پیش نظر کچھ نہ کچھ ادعائیت کو کام میں لانا ضروری ہو گیا تھا. مطالعہ کرنے والوں کو اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ کتاب میں مذکور اکثر نظریات ابھی قطعی طور پر تسلیم نہیں کیے گئے ہیں اس لیے ان کو ممکنہ مفروضات سمجھنا ہی مناسب ہوگا ان میں آئندہ ترقی کے ساتھ، بہت سی تبدیلیوں کی ضرورت یقیناً درپیش ہوگی۔

اس امر کو بھی واضح طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ کتاب میں دیوانگی کے میدان کا مکمل احاطہ کرنے کی کوئی کوشش بھی نہیں کی گئی ہے اس کے برعکس اس میدان کے چند حصّوں کو من مانے طور پر صرف اس لیے منتخب کر لیا گیا ہے کہ وہ نفسیاتی طریق تفتیش کے لیے سودمند نتائج کے حامل ہیں۔

مجھے اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ آئندہ ان طریقوں کو وسیع پیمانے پر کام میں لایا جائے گا لیکن اس وقت ہماری معلومات کی جو حیثیت ہے اس کے پیش نظر دیوانگی کے مختلف مسائل کے متعلق ان کی افادیت بہت محدود ہے۔ اس کا اقرار کرنا اس وجہ سے اور بھی ضروری ہے کہ موجودہ محققین کے کاموں میں وسیع پیمانہ پر

تعمیم کا رجحان پایا جاتا ہے۔ ذہنی اعمال کی پیچیدگیوں اور علم نفسیات کے نئے ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ لینا بہتر ہوگا کہ ترقی کی رفتار بلاشبہ سست ہوگی، ہمارے اطمینان کے لیے یہی کیا کم ہے کہ ہم کو آئندہ کے لیے سائنسی اصولوں تک پہنچنے کی راہ مل گئی ہے۔

اس کتاب میں بیان کردہ بہت سے عام قوانین دیانا کے ڈاکٹر فرائڈ کی غیر معمولی ذہانت کی دین ہیں جس کے ایسا اختراع پسند اور زرخیز دماغ نفسیات کے اس مخصوص میدان میں دوسرا نظر نہیں آتا ہے۔ میرے لیے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ میں نے فرائڈ سے کہاں تک استفادہ حاصل کیا ہے لیکن میں فرائڈ اور اس کے متبعین کے پیش کردہ تمام قوانین کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوں۔ میری نظر میں ان کے زیادہ تر اصول نااستوار بنیادوں پر وضع کیے گئے ہیں اور ابھی محتاج ثبوت ہیں۔ دوسری طرف فرائڈ کے پیش کردہ بہت سے بنیادی قوانین کو وسیع پیمانہ پر تسلیم کیا جا رہا ہے اور ان کی موافقت میں بڑی تیزی سے ثبوت مہیا ہوتے جا رہے ہیں۔ موجودہ کتاب میں میں نے صرف ان ہی قوانین کا تذکرہ کیا ہے جو قبولیت کا اطمینان بخش دعویٰ رکھتے ہیں۔

جن دوسرے بہت سے مستند مفکروں کی تحریر سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سے زیورچ کے ڈاکٹر ینگ (Dr Jung)، پیرس کے ڈاکٹر جینے (Dr Janet)، پروفیسر کارل پیرسن (Karl Pearson) اور مرحوم پروفیسر کرافٹنگ (Prof. Krafft-Ebing) کا تذکرہ کرنا خصوصیت کے ساتھ لازمی ہے اس کے علاوہ مسٹر ڈبلو ٹراٹر (Mr. W. Trotter) کا بھی بہت مشکور ہوں جن کے گروہی جبلت (Herd Instinct) کے بارے میں دو مضامین جو سوشل ریویو میں 1908-1908 میں شائع ہوئے تھے بڑے کارآمد ثابت ہوئے۔

ڈاکٹر ایڈورڈ میپاتھر (Dr. Edward Mapather) کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جن کی مدد سے اس کتاب کا مسودہ تیار کرنے اور پروف پر نظر ثانی میں بڑی سہولت رہی۔

برنارڈ ہارٹ

ستمبر 1912

چوتھے ایڈیشن کا تعارف (۱)

اس تعارف میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ نفسیاتی علم الامراض کے موجودہ مقام اور اس کی گزشتہ تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا جائے تاکہ پڑھنے والا اس موضوع سے متعلق اس کتاب میں پیش کردہ اصولوں کی اہمیت سے واقف ہو جائے اور اس ارتقاء کو سمجھ سکے جو اس کتاب کی پہلی اشاعت یعنی 1912 سے اب تک ہوا ہے۔ یہ تعارف مقررہ اصول کے برعکس خاصا طویل اور حاوی بن گیا ہے لیکن اگر اس علم سے واقفیت نہ رکھنے والے لوگ اس تعارف کو کتاب پڑھنے کے بعد پڑھیں تو ان کے لیے یہ زیادہ قابل فہم اور مفید ثابت ہوگا۔

نفسیاتی علم الامراض کی ترقی ــــ جینیے سے پہلے

نفسیاتی علم الامراض کا علم جو دماغی خلل کے نفسیاتی اصول وضوابط کی مدد سے تشریح کرتا ہے نسبتاً ابھی نیا ہے یہ کہنا بھی ذرا مشکل نہیں ہے کہ انیسویں صدی کے آخری ربع سے پہلے اس کا کوئی وجود بھی تھا۔

مسمر (Mesmer) کے غیر معمولی مظاہروں اور دوسرے مقناطیسی عمل کرنے والوں نے سو سال پہلے ہی دور دور تک دلچسپی پیدا کردی تھی بعد میں تحقیق نے ثابت کیا کہ اس مظاہرہ کی بنیاد مقناطیسی طاقت نہیں تھی، بلکہ اس کا اصل سبب ترغیبی اثر اندازی (Suggestion) کا وہ خالص نفسیاتی عمل تھا جو کوئی شخص تجربہ کرنے والے سے قبول کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات سامنے آئی کہ نفسیاتی اسباب (Psychological Causes) میں یہ قدرت موجود ہے کہ وہ مخصوص جسمانی اور دماغی تبدیلیاں پیدا کر سکتے ہیں لیکن نتائج کو

---

(۱) دوسرے تیسرے اور چوتھے اڈیشنوں کے مختصر دیباچے اصل کتاب میں موجود ہیں جن کا ترجمہ غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ چوتھے اڈیشن کے تعارف کا ترجمہ اہمیت کی وجہ سے شامل کر دیا گیا ہے۔

Charcot) کے زمانہ 1893-1825 تک یہ نظریہ بیماریوں کے سلسلے میں کام میں نہیں لایا گیا تھا۔ شارکو کا بڑا احسان ہے کہ اس نے پہلی بار یہ خیال پیش کیا کہ بعض مخصوص ذہنی خلل تصورات کے اثر وعمل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس خیال کو ہم موجودہ نفسیاتی علم الامراض کی بنیاد قرار دے سکتے ہیں۔ اسی خیال کو لے کر تحقیقات کے طویل سلسلوں کی ابتدا ہوئی جن کی مدد سے جلد ہی ہم کو عصبی افعال کی خرابیوں مثلاً ہسٹیریا، ضعف اعصاب اور دیگر ملتی جلتی حالتوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔ جلد ہی اس بات کو تسلیم کر لیا گیا کہ ان حالتوں کو پیدا کرنے میں مختلف نفسیاتی عناصر کا بڑا حصہ ہوتا ہے اور پھر اس کی بھرپور کوشش کی جانے لگی کہ اس حصہ کا قطعی تعین کیا جائے۔ ان متعلقہ نفسیاتی عناصر میں موثر ذہنی ترغیب (Suggestion) کو یعنی اس حالت کو جس میں مریض کے ذہن میں مخصوص خیالات واعتقادات بٹھا دیے جاتے ہیں کہ جن کے زیر اثر مختلف علامتیں اور انتشاری کیفیتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں، ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اثرآفرینی کا یہ عمل بہر حال ابھی محدود مبہم اور غیر یقینی تھا جس کی بنا پر وہ پیچیدہ دماغی خرابیوں کی اطمینان بخش تشریح کرنے سے قاصر رہا۔ اسی سبب سے محققین دوسرے نفسیاتی قوانین تلاش کرنے میں لگ گئے جو اعصاب کے وظائفی خلل کو زیادہ قابل فہم بنا سکیں اور یہ بھی معلوم کر سکیں کہ اثرآفرینی کا عمل کس طریقے سے اپنے نتائج سامنے لاتا ہے۔

جنیے کا کام

جنیے نے تقسیم وانتشار شعور (dissociation) کا تصور پیش کر کے اس سمت میں پہلا قابل ذکر قدم اٹھایا۔ اس کا ذکر اس کتاب کے چوتھے باب میں کیا گیا ہے۔ اس تصور کو گزشتہ صدی کے اواخر میں کی جانے والی تحقیقات میں بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ موجودہ نفسیاتی علم الامراض (Psychopathology) کی ترویج کے سلسلے میں اس کو سنگ میل کی اہمیت حاصل ہے۔ جنیے کے مطابق شعور صرف ایک یکساں اور مربوط خیالات کی رو کا نام نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی تو وہ تقریباً بالکل ہی مختلف دھاروں میں بٹ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں جو انتشار شعور عمل میں آتا ہے وہ نہ صرف ہسٹیریا اور دوسری ہیجانی کیفیات پر روشنی ڈالتا ہے بلکہ روزمرہ کے ذہنی افعال کی بھی تشریح کرتا ہے۔ اس تصور کی مدد سے شعور کو بہت کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن انتہائی کارآمد ہوتے ہوئے بھی یہ نظریہ اس مخصوص راہ پر ہم کو کچھ ہی دور لے جاتا ہے۔ قدرتی طور پر اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انتشار ذہن کیوں وجود میں آتا ہے۔ یہ تصور بذات خود اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ اس کا جواب ہم کو اسی وقت مل سکتا ہے جب ہم ذہن کے حرکیات (Dynamics) کو سمجھیں یعنی ہم کو ان قوتوں اور

اوران قوانین کا علم ہو جن کی وجہ سے مختلف ذہنی افعال ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

فرائڈ کا مقام

فرائڈ نے ایک حرکی نقطہ نظر کو ترقی دینے کے لیے پہلا اہم اور ٹھوس قدم اٹھایا۔ بلا شبہ نفسیاتی علم الامراض کے سلسلے میں فرائڈ کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود فرائڈ کے تعمیر کردہ ڈھانچے کی قطعی اہمیت وصحت آج بھی مشکوک اور بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ اگلے ابواب میں جو خیالات پیش کیے گئے ہیں ان کا مخزن براہ راست فرائڈ کے نظریات ہی ہیں، یا پھر وہ خیالات ہیں جو فرائڈ ہی کے نقطہ نظر سے ارتقا پذیر ہوئے ہیں۔ تاہم اس کتاب کی اشاعت کے وقت بھی موضوع کو جس طریقہ سے برتا گیا ہے اور جو نقطہ نظر اپنایا گیا ہے وہ فرائڈ کے اختیار کردہ طریقہ سے قطعی مختلف تھا۔ بعد میں یہ اختلاف اور بھی نمایاں ہوا۔ فرائڈ نے زیادہ سے زیادہ معلومات مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ پرانے ڈھانچے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے کچھ اور اصول شامل کیے۔ اس کے پیش کردہ اصول آج بہت اہم مقام حاصل کر چکے ہیں۔ یہ اصول صرف اس لیے توجہ طلب نہیں ہیں کہ ان سے مضمون کی تعمیر وترتیب میں مدد ملتی ہے بلکہ ان کی اہمیت اس لیے اور بھی زیادہ ہے کہ یہ بذات خود ایک ایسے مکمل نظام کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے اپنے قوانین اور مفروضے ہیں اور جو موضوع تک رسائی کے اور دوسرے ذرائع کے اثر سے نسبتاً آزاد ہے۔ ان سب وجوہات کی بنا پر قاری کے لیے اس فرق کو سمجھنا ضروری ہو جاتا ہے جو فرائڈ اور اس کتاب میں برتے گئے نظریہ کے درمیان ۱۹۱۲ء میں موجود تھا، ساتھ ہی ساتھ اس ارتقا پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے جو فرائڈ کے نظریات میں اس کتاب کی اشاعت کے بعد رونما ہوا۔ اسی مقصد کے پیش نظر یہاں فرائڈ کے نظریات کو اختصار کے ساتھ اس کے تاریخی پس منظر میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی، حالانکہ یہ خاکہ ناکافی ہوگا۔ لیکن امید کی جاتی ہے کہ موضوع کے متعلق کتابیات میں اہم حوالوں اور تذکروں کی شمولیت اس میں کچھ وسعت پیدا کر سکے گی۔

فرائڈ کے نظریہ کا ارتقاء

ویانا کے ڈاکٹر جوزف بریور (Josef Breuer) نے ۱۸۸۰ میں ہسٹریا کے ایک کیس کی تحقیق کے دوران یہ معلوم کیا کہ موجود علامتوں کا سبب کچھ ایسی یادیں تھیں جن کا علم خود مریضہ کو نہیں تھا، اور مرض

کا تدارک صرف اسی وقت ہو سکا جب یہ بھولی بسری یادیں مریض کے علم یا شعور میں دوبارہ لائی جا سکیں۔ فرائڈ نے اسی دریافت کے خط و خال پر بریور (Breuer) کے ساتھ مل کر مزید کام شروع کیا اور اس عظیم نظریہ اور عمل کا ڈھانچہ رفتہ رفتہ تعمیر کیا جو آج اس کے نام سے منسوب ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقریباً ابتدا ہی سے کچھ بنیادی اصول موجود تھے۔ مثلاً پہلی بات تو یہی تھی کہ دماغ شعور کے علاوہ کچھ اور بھی رکھتا ہے اور یادیں نہ صرف موجود رہتی ہیں بلکہ شعور کی گرفت سے باہر اور منقطع ہونے کے باوجود متواتر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذہن نہ صرف شعوری بلکہ لاشعوری اعمال پر مشتمل ہے۔ دوسرا اصول یہ سامنے آیا کہ ان یادوں کی پشت پر کوئی طاقت کارفرما ہوتی ہے جو سرگرمی سے ان کو شعور میں داخل ہونے سے روکتی ہے، اور معمولی ذرائع سے انھیں تازہ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اس سرگرم قوت کا نام مزاحمت (resistance) یا مدافعت رکھا گیا ہے اور اسی بنیاد پر یہ ممکنہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ وہ قوت جو ان متروک یادوں کو شعور میں آنے سے روکتی ہے۔ دراصل وہی قوت بنیادی طور پر شعور سے ان کے اخراج کا باعث بھی ہوتی ہے۔

دوسرا قدم اس امر کو دریافت کرنے کے لیے اٹھایا گیا کہ یہ اخراج یا اصطلاحاً دباؤ (Repression) آخر کیوں ہوتا ہے؟ اور کیسے برقرار رہتا ہے؟ تحقیقات نے فرائڈ کو اس قیمتی نتیجہ پر پہنچایا کہ یادوں کے دبائے جانے (repression) کا عمل ذہن میں بیک وقت دو مخالف قوتوں کی باہمی نبرد آزمائی کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور ذہن اس ناقابل برداشت کھینچا تانی سے پیچھا چھڑانے کے لیے کسی ایک حریف کو شعور سے خارج کر دیتا ہے جو یہاں سے نکل کر لاشعور میں پناہ گزین ہو جاتا ہے۔ یہ یادیں متحرک یا فعال تو ہوتی ہیں، لیکن براہ راست شعور کے اسٹیج پر ظاہر نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ مثلاً فالج یا بے حسی جو ہسٹیریا کے علامات ہیں وہ لاشعوری ذہنی اسباب کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں، یہ لاشعوری اس لیے ہیں کہ ذہن کی دیگر قوتوں سے متناقض ہیں اور ان کو اس لیے ڈھکیلا گیا تاکہ آپس کی ناگزیر مقابلہ آرائی سے بچا جا سکے ۔ علامتیں بگڑی ہوئی صورت میں اور بالواسطہ 'چون وچرا' کی عکاسی کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ ذہن میں ابال تو موجود ہے لیکن اس کو شعور میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، صورت بگڑنے کا سبب وہ قوتیں ہیں جو دبانے کی کوشش کرتی ہیں اور خود علامتیں دبنے اور دبانے والی قوتوں کے باہمی مقابلہ کا نتیجہ ہوتی ہیں

جن مختلف طریقوں سے یہ باہمی عمل پیدا ہوتا ہے ان پر تفصیل کام کیا گیا ہے اور اس متنینی عمل کو بھی متعین کرایا گیا ہے جس کی مدد سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قوتیں باہم مل کر کس طرح کسی علامت کے اظہار کا سبب بنتی ہیں۔ اس کتاب کے آٹھویں اور نویں باب میں ایسے ہی عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ امر بھی واضح ہو چکا ہے کہ جن افعال کے بارے میں علم ہوا ہے وہ ہسٹیریا کے علاوہ دیگر ذہنی اور عصبی پراگندگی کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں اور ان سے بہتیرے روزمرہ کے نفسیاتی مظاہر کی بھی تشریح کی جاتی ہے۔ خوابوں کے سلسلے میں کی جانے والی تحقیق اس سلسلے میں خاص کر مفید ثابت ہوئی۔ اس کی مدد سے اس بات کا علم ہوا کہ خوابوں اور پاگل پن میں پائی جانے والی علامتوں کی ماہئیت اور ان کی توسیع کے اصول آپس میں بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔ اس دریافت کو عمل حیثیت اس لیے حاصل ہوئی کہ خوابوں کی چھان بین سے وہ قوتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جو مریض کے ذہن میں سرگرم ہوتی ہیں۔ پھر ان کی مدد سے وہ حقائق سامنے آتے ہیں جن کا علم میں ہونا مرض کے تدارک کے سلسلے میں ضروری ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے فرائڈ کے مطابق ذہن شعوری اور لاشعوری عمل کا مجموعہ ہے، لاشعور کے نظریہ کو مزید ترقی دے کر فرائڈ نے دماغی ساخت کے بارے میں ایک نیا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق ذہن کے تین حصے مانے گئے ہیں یعنی شعور (Concious) تحت الشعور (Fore conscious) اور لاشعور (unconcious) شعوری اعمال وہ ہیں جن کا علم معمول کے مطابق ہوتا ہے۔ تحت الشعوری اعمال کو تھوڑی سی کوشش اور یاد آوری سے شعوری بنایا جا سکتا ہے لیکن لاشعوری افعال وہ ہیں جو نہ صرف یہ کہ شعور کے علم میں نہیں ہیں بلکہ جن کو معمولی طریقوں سے علم میں لانا بھی ممکن نہیں ہے، اس کی وجہ وہ بندش ہے جو باہمی آمد و رفت پر پابندی لگائے رکھتی ہے لاشعور کے لیے مجبور کرنا اپنے کو بدلنے اور مسخ کرنے کے بعد ہی ممکن ہے۔ لاشعور کی طرف جانے والے راستے میں 'دباؤ' (Repression) کے عمل سے سابقہ پڑتا ہے اور جس بندش اور صورت کے بگاڑ کا ذکر علامتوں کی ساخت کے سلسلے میں کیا گیا ہے وہ 'مزاحمت' Resistance کے عمل پر مشتمل ہوتی ہیں۔

فرائڈ نے تحقیقات کے ذریعہ ان قوتوں کی فطرت اور ماخذ کے جاننے کی کوشش کی جن کے باہمی عمل سے خواب اور عصبی خلل کی دوسری علامتیں پیدا ہوتی ہیں اس سلسلے میں اس کو پتہ چلا کہ یہ قوتیں جنسی جبلت کی دین ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے فرائڈ نے رفتہ رفتہ ایک مفصل جنسی نظریہ وضع کیا جو اس کے وضع کردہ ضوابط کا مغز قرار پایا۔

فرائڈ کے کہنے کے مطابق تجربات میں جنس جس طرح وجود رکھتی ہے عمل وہ ایک لمبے ارتقاء پذیر عمل کا آخری مرحلہ ہے ورنہ اس کا آغاز تو بچپن سے ہو جاتا ہے لیکن اس میں متواتر اہم تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ بلوغت کے بعد جنس کی جو صورت سامنے آتی ہے وہ بچپن کی ابتدائی شکل سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ حالانکہ دونوں زمانوں میں قوت محرکہ (Libido) یکساں رہتی ہے۔ ابتداء میں لبائڈو کا مرکز خود اپنی ذات ہوتی ہے۔ بعد میں یہ خارجی اشیاء کی طرف متوجہ ہونے کے قابل ہو جاتی ہے اور خصوصیت سے والدین میں سے جنس

مخالف کی فرد۔ سب سے پہلے یہ جگہ حاصل کرتی ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اپنے موافق جنس افراد کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور بالآخر سن بلوغ میں اس کی معتدل صورت نمودار ہوتی ہے۔ یعنی اب جنس مخالف پر توجہ مرکوز ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ (جنسی) قوت محرکہ (Libido) اپنی تکمیل تک پہنچنے میں مختلف حالتوں یعنی مرکوز بذات (Autoerotic) مرکوز والدین (Parental) ہم جنسیت (Homo sexual) اور مخالف جنسی (Hetrosexual) مدارج سے گزرتی ہے۔ قوت محرکہ یعنی لبائڈو کے معروضی مرکز میں ارتقائی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جسم کے ان حصوں میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں جن سے اس قوت کا (؟) تعلق کسی ایک زمانے میں رہتا ہے۔

فرائڈ کا خیال ہے کہ طویل ارتقائی سفر میں یہ قوت (Libido) کبھی راستے سے بھٹک بھی سکتی ہے جس کے نتیجہ میں بے راہ روی اور دوسرے خلل پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر یہ ارتقائی عمل ہم جنسی کے درجہ پر پہنچ کر رک جائے تو ایک خاص قسم کی جنسی بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، اور اگر ایک حالت سے دوسری حالت کی تبدیلی قاعدہ سے عمل میں نہ آئے یعنی یہ (Libido) اپنی اگلی منزل کی طرف بڑھتے ہوئے اپنا لگاؤ پچھلی صورت اور اس کے موضوع سے بھی قائم رکھے تو ایسی حالت میں یہ کشمکش نامکمل ارتقائی عناصر کی وجہ سے کج روی بھی اختیار کر سکتی ہے اس صورت میں جزوی طور پر ترقی یافتہ عناصر لاشعور میں ڈھکیل دیئے جائیں گے اور عصبی خلل کی علامتیں نمودار ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں فرائڈ کے مطابق جنسی جبلت سے حاصل شدہ قوت خوابوں اور اکثر عصبی خلل میں بھی کارفرما ہوتی ہے یا اس کو یوں کہا جائے کہ لبائڈو کا عمل ان میں شریک رہتا ہے۔ لیکن فرائڈ نے اس کے علاوہ کچھ اور قوتیں بھی دریافت کی ہیں جن کو وہ شخصیت یا عضویاتی نظام حکمرانی کا جزو مانتا ہے اور جو مجموعی طور پر مل کر ایگو کو وجود میں لاتی ہیں جس کا اہم کام لبائڈو کو اپنی من مانی کرنے سے روکنا ہے تاکہ وہ اپنے کو بیرونی حقائق اور ماحول کے مطابق ڈھال سکے۔ تحقیقات کے ذریعہ اس بات کا بھی علم ہوا کہ عصبی خرابیوں میں علامتوں میں جو کشمکش کارفرما نظر آتی ہے وہ ایگو (Ego) اور لبائڈو کی ایسی کشاکش ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بقول فرائڈ اعصابی خلل اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ایگو میں لبائڈو سے نمٹنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں تناؤ پیدا ہوتا ہے جس سے بچنے کے لیے شخصیت کچھ طریقے اپناتی ہے۔ اس سے دباؤ (Repression) کا عمل نمودار ہوتا ہے اور پھر مختلف غیر معتدل علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔

فرائڈ نے اپنے نظریات کی تفتیش کے سلسلہ میں تحلیل نفسی کا جو طریقہ اپنایا اس کے بارے میں کچھ کہنا ضروری ہے۔ تحلیل نفسی کو جو اسی کے نظام افکار کا سنگ میل ہے ترقی دے کر لاشعوری عمل تک جو مریضوں میں علامتوں کے ظہور کا حقیقی ذمہ دار ہے رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بنانا یقیناً ایک بہت اہم کام تھا کیونکہ

کسی معمولی طریقہ سے لاشعور کی چھان بین ناممکن عمل تھا۔ ابتدا میں فرائڈ نے بھی عمل تنویم (Hypnotism) کا طریقہ استعمال کیا۔ اس لیے کہ عرصہ سے یہ طریقہ دماغ کے غیر شعوری عناصر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے معروف تھا، لیکن بعد میں فرائڈ نے ایک زیادہ موزوں، کامیاب، اور زرخیز طریقہ دریافت کیا، اس نے محسوس کیا کہ اگر مریض بے تکلفی سے بولتا رہے، اور وہ دانستہ اپنے خیالات کی رفتار و سمت پر روک یا بندش نہ لگائے تو ان پر لاشعور کی جزوی حکمرانی قائم ہو جاتی ہے اور پھر ایک بار تفتیش کرنے والے کے لیے اس لاشعوری عمل کا پتہ لگانا آسان ہو جاتا ہے جو ان خیالات کے خط و خال متعین کرتے ہیں فرائڈ نے اس طریقہ کا نام تحلیل نفسی رکھا اور پھر ترقی دے کر اسے دماغی امراض کی تشخیص کا نہایت کارآمد ذریعہ بنا دیا۔ تحلیل نفسی (Psycho Analysis) اور اس کے ذریعہ حاصل شدہ نتائج پر فرائڈ کا مکمل انحصار رہا اور بعد کے اصول بھی اسی بنیاد پر مرتب کیے گئے۔

فرائڈ کی ابتدائی تحقیقات کا موضوع عصبی انتشار رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے محسوس کیا کہ یہی علامتیں دیوانگی کی بعض صورتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرائڈ کے ایک پیروکار یونگ (jung) نے جو بعد میں خود ایک نئے مکتبِ خیال کا بانی قرار پایا اور جس کی عام دماغی خلل یعنی (Dementia Preacox) کے سلسلے کی تحقیق کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ فرائڈ کے نظریہ پر مزید چھان بین کی، اس سلسلے میں اس کو پتہ چلا کہ ہسٹیریا کے بارے میں فرائڈ نے جن نفسیاتی اصولوں کا ذکر کیا ہے وہ (Dementia Preacox) عام دماغی خلل کے سلسلے میں بھی بنیادی فرق کے باوجود بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

فرائڈ، اور زیرِ نظر کتاب کا موقف

اب تک ہم جس نکتہ پر پہنچے ہیں وہ تقریباً وہی ہے۔ جہاں تک اس کتاب کی اشاعت کے وقت فرائڈ پہنچ چکا تھا۔ اس کے پیش کردہ اصول خاصے پیچیدہ ہو چکے تھے۔ یہاں فرائڈ کے پیش کردہ نظریات اور ان کی تکوین وغیرہ کے لیے جو کچھ کہا گیا ہے وہ بہت مختصر اور ناکافی ہے، پھر بھی یہ امید کی جاتی ہے کہ اس سے کم از کم اتنا تو واضح ہو جائے گا کہ فرائڈ کو اپنی کاوشوں کے سلسلے میں کن راہوں سے گزرنا پڑا تھا، اگر ہم اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں تو قاری کو ان نکتوں کے سمجھنے میں بھی دقت نہ ہوگی جو فرائڈ اور اس کتاب میں اپنائے گئے نظریات کے درمیان مابہ الاختلاف ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں کے زاویۂ نگاہ میں واضح فرق ہے۔ فرائڈ نے اپنے نظریاتی تصورات کی بنیاد

ان حقائق پر رکھی جو اس کو مریضوں پر کی جانے والی تحقیقات کے ذریعہ رفتہ رفتہ آزمائشی طور پر حاصل ہوتے رہتے تھے۔ فرائڈ نے اس موضوع کی جامع تشریح کی کوشش نہیں کی، دوسرے الفاظ میں اس نے نصابی کتاب لکھنے کے بجائے رسالے لکھے۔ زیر نظر کتاب میں موضوع کی منظم تشریح کی کوشش کی گئی ہے اور ضوابط پیش کرتے وقت تاریخی ترتیب کے بجائے توضیح موضوع کے سلسلہ میں انھیں جو مقام حاصل ہے اس کا لحاظ رکھا گیا ہے اور موضوع کو اس طرح برتا گیا ہے جس سے خاطر خواہ طور پر اس بات کا اظہار ہوتا رہے کہ نفسیاتی علم الامراض کے قوانین کی بنیاد اور پیش کش میں وہی ضابطے استعمال کیے گئے ہیں کہ جو عام طور سے سائنسی علوم کے سلسلے میں استعمال ہوتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کتاب فرائڈ کے نظریات کی تشریح کرنے کا دعویٰ نہیں کرتی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فرائڈ نے جس میدان میں ہلچل پیدا کی ہے اس کا صرف کچھ ہی حصہ اس میں شامل کیا گیا ہے۔ اور اکثر بہت اہم حصوں کا تو اس کتاب میں ذکر تک نہیں کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں اس کتاب میں انتشار شعور (dissociation) جیسے تصورات کو جگہ دی گئی ہے جو فرائڈ کے دائرہ عمل سے یا تو باہر کی چیزیں ہیں یا کم اہمیت کی مالک ہیں۔

اختلافات کے ان دونوں خطوط کی وجہ سے فرائڈ کے تصورات کو یہاں وہ مقام و اہمیت حاصل نہیں ہے جو خود فرائڈ کے نظام فکر کی تعمیر میں حاصل ہے۔ مثال کے طور پر دماغی ساخت کے بارے میں فرائڈ کا تقسیم یعنی شعور، تحت الشعور، لاشعور کا نظریہ یہاں نہیں اپنایا گیا ہے۔ لاشعوری اعمال کے مفروضہ کو صرف اس لیے قبول کیا گیا ہے تاکہ شعوری نظریہ کی مناسب تشریح کی جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی مکانی ساخت پر نہیں بلکہ ان کے افعالی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر توجہ دی گئی ہے۔ مگر یہ کہ ان کو بعینہ ان صفات کا حامل بھی نہیں قرار دیا گیا ہے جو فرائڈ نے لاشعور کی طرف منسوب کیے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ فرائڈ کے یہاں زیادہ تر دماغی خلل جس ذہنی کشمکش کا نتیجہ ہوتے ہیں اس میں جنسی جبلت کو بنیادی کارکردگی کا حامل مانا گیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں اس جبلت کے تفصیلی ذکر کو نظر انداز کیا گیا ہے یہاں اس کا تذکرہ محض ایک ممکنہ قیاس کی شکل میں اس لیے کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے آخری مرحلہ پر ان اصل عناصر سے کہ جو دماغی خلل میں کارفرما ہوتے ہیں اس کا کچھ تعلق ظاہر ہو۔ فرائڈ کے یہاں یہ قیاس شروع ہی سے موجود ہے اور بیا ئیڈو کی تبدیجی ترقی اور اس کی سرگرمیاں ہی مرکزی نقطہ ہیں جس کے گرد فرائڈ کے تمام نظریات مرتب کیے گئے ہیں۔

ان ہی باتوں کے پیش نظر یہ سمجھنا اشد ضروری ہے کہ اس کتاب کی فرائڈ کے سلسلہ تاریخ میں براہ راست

کوئی جگہ نہیں ہے۔ اپنے مقاصد کے اعتبار سے یہ کتاب بہ یک وقت وسیع بھی ہے اور نہ صرف محدود اس لیے کہ فرائڈ کی تعلیمات کے صرف چند پہلوؤں سے اس میں بحث کی گئی ہے، اور وسیع اس معنوں میں کہ یہاں ان پہلوؤں کو ان خطوط سے بھی مربوط کر کے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے جنھیں دوسرے نقشین نے نقیہ۔ کیا ہے

سنہ 1912 سے نفسیاتی علم الامراض کا ارتقار

اب ہم ۱۹۱۲ کے بعد نفسیاتی علم الامراض کے ارتقار کا جائزہ لینے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی سال یہ کتاب پہلی مرتبہ چھپی تھی اس درمیان میں یہ موضوع پیچیدگی کی ایسی حدوں تک پہنچ گیا یہاں صرف خاص خاص خطوط ارتقار کا ذکر ہی ممکن ہے۔

گزشتہ اٹھارہ برسوں کی تاریخ میں سب سے اہم بات فرائڈ کے کام کا روز افزوں بڑھتا ہوا اثر ہے جو قدامت پسند مکتب تحلیل نفس کے حدود سے بہت آگے نکل گیا ہے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اب عہد حاضر کے نفسیاتی علم الامراض کے سلسلے کے جملہ تحقیقات کو متاثر کر رہا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرائڈ کے پیش کردہ طرز فکر و عمل کو عام قبولیت حاصل ہوگئی ہے۔ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ اس کے نظام فکر کی معقولیت اب بھی بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ فرائڈ کے صرف شاگردوں کے ایک چھوٹے سے گروہ نے اس کے نظریات کو کلیتاً مانا تھا۔ اسی کو اب تحلیل نفس کا قدامت پسند مکتب فکر مانا جاتا ہے لیکن فرائڈ نے جو نئی راہیں نفسیاتی مسائل کو حل کرنے کے لیے پیدا کیں، تفتیش کے سلسلے میں جن ذرائع کا استعمال کیا، اور تحقیق کے لیے جس بے حد اہم حرکی نقطہ نظر کو وضع کیا ان سب نے بعد میں نفسیاتی علم الامراض کی تاریخ ہی کو بدل کر رکھ دیا۔ علاوہ ازیں فرائڈ کے ابتدائی نظریات میں، ذہنی کشمکش (Conflict) اور اس کی کارکردگی سے پیدا ہونے والے عصبی خلل کے مظاہر کو بڑے پیمانہ پر تسلیم کیا گیا اور کسی حد تک ان کو قبولیت عام کا درجہ بھی حاصل ہوا۔

تحلیل نفس کے قدیم مکتب خیال نے اپنے بانی فرائڈ کے زیر سایہ اس طریقہ کو تفتیش کا ایک وسیع و جامع اصول بنایا جس میں متواتر توسیع ہوتی رہی اور اب تو اس کے دائرہ عمل میں عصبی انتشار کے علاوہ نفسیات اعتدال، سماجیات، انسانیات، اور تعلیمات سب ہی کو کامیابی کے ساتھ شامل کیا جا چکا ہے، یہ طریقہ جامع اور مکمل ہے، تصورات کے اعتبار سے کم و بیش خود کفیل ہے اور اپنے طرز پر، دوسرے ذرائع کی محتاجی کے بغیر ذہن و زندگی کے مسائل حل کرنا چاہتا ہے۔

فرائڈ کے نظریات کو ارتقائی منازل طے کرنے کے دوران غیر معمولی وسعت حاصل ہوئی، لیکن ان کی ابتدائی شکل برقرار رہی۔ لبائیڈو کے ارتقا تغیر کا تفصیلی سراغ لگایا گیا، ایگو کے مجموعی عناصر کا مکمل تجزیہ کیا گیا۔ اور ہر جزو کے خاص عمل و کردار کا تعین ہوا۔ ایگو کے مختلف اجزا کے باہمی اثرات اور لبائیڈو سے ان کے میل جول کی وجہ سے پیدا ہونے والے معتدل اور مریضانہ ذہنی زندگی کے مظاہر کو تلاش کیا گیا۔ اور یہی تشریحات بعد میں علم نفسیات اور حیاتیات کے زمرے میں منتقل ہوئیں۔

جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں فرائڈ کا اثر قدامت پسندانہ تحلیل نفسی کے دائرہ سے باہر بھی دوسرے میدانوں کو متاثر کرتا رہا، اور اکثر نفسیاتی علم الامراض کے ان ماہرین نے جو فرائڈ کے نظریات کو مکمل طور پر ماننے کے لیے تیار نہیں تھے، اس کے نظریات سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ یہاں یونگ (Jung) اور اڈلر (Adler) کے مکاتب فکر کا ذکر کرنا ضروری ہے، یہ دونوں پہلے فرائڈ کے شاگرد تھے بعد میں انھوں نے قدامت پسند تحلیل نفسی کی راہ سے بڑی حد تک انحراف کیا اگرچہ دونوں نے فرائڈ کی بنائی ہوئی راہوں سے استفادہ کیا اور کسی حد تک اس کے نظریات کو اپنایا لیکن بعد میں دونوں نے الگ الگ راستے اختیار کرتے ہوئے اپنے آزاد اصول اور عمل ضابطے مرتب کیے۔ فرائڈ اور مذکورہ بالا دونوں مکاتب فکر کے علاوہ گزشتہ بیس برسوں میں نفسیاتی علم الامراض نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی۔ جینے (Janet) کے غیر معمولی نظریہ انتشار شعور (dissociation) نے بھی اپنی موجودہ صورت اسی صدی کے اوائل ہی میں حاصل کی تھی۔ بعد میں اس میں بھی برائے نام ہی کچھ اضافہ ہو سکا۔ اسی طرح نظریہ ترغیبی اثر اندازی (Suggestion) نے بھی جس نے نفسیاتی علم الامراض کی تاریخ میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، بعد میں معلومات میں کم ہی اضافہ کیا، ان تمام مفتشین کے یہاں جو ان ابتدائی نظریات کا استعمال بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔ فرائڈ کے پیش کردہ حرکی نظریات کو استعمال کرنے کا رجحان کم و بیش پایا جاتا ہے اور یہی آمیزش آج بھی نفسیاتی علم الامراض کے کاموں کی خصوصیات میں شامل ہے۔ حالیہ برسوں میں نفسیاتی علم الامراض نے ارتقائی سفر کے لیے جو راستے اختیار کیے ہیں ان کا یہ مختصر سا خاکہ ہے جو محض اس سمت کی نشاندہی کرتا ہے جس طرف پیش رفت ہوئی ہے۔ ان پڑھنے والوں کی سہولت کے لیے جو ان مکاتب خیال کے طریقوں اور اصولوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں جن کو آج کل فوقیت حاصل ہے۔ نظر ثانی شدہ کتابیات آخر میں شامل کر دی گئی ہے۔ چونکہ موضوع بہت وسیع ہے اس لیے لازماً بغیر کسی خیال کے چند ایسی کتابوں کو منتخب کر لیا گیا ہے جو ان لوگوں کے لیے معاون ہو سکیں کہ جن کا نفسیاتی علم الامراض کے موضوع سے پہلا سابقہ زیر نظر کتاب کے ذریعہ ہی سے پڑا ہے۔ تمام کتابیں انگریزی زبان میں ہیں، ان کے مقاصد یا پھر مختلف مکاتب خیال کے فرق کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے

۱۹۳۰ ـــــــــــ

نفسیات جنوں

باب اول

دماغی خلل کی تاریخ

(The history of mental disorders)

غیر معتدل دماغی مظاہر کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ اس کا ذکر مشرق اور مغرب کی انتہائی قدیم کتابوں میں بھی موجود ہے۔ عہدنامہ قدیم میں سَول (Saul) پر ارواح خبیثہ کے تسلط کے دوران متواتر افسردگی کے دورے پڑنے کا ذکر ہے۔ نیز بخت نصر کے ان ہذیانی دوروں کا ذکر بھی ملتا ہے جن میں وہ یہ یقین کر لیتا تھا کہ وہ جانور ہو گیا ہے، وہ بیل کی طرح گھاس کھاتا ہے، اس کا جسم جنت کی شبنم سے بھیگ گیا ہے یہاں تک کہ اس کے بال بڑھتے بڑھتے فرشتوں کے پروں کی طرح اور ناخون چڑیوں کے پنجوں کی طرح ہو گئے ہیں۔ مغرب کو دیکھیے تو ہومر (Homer) کے یہاں پاگل پن کا ذکر اکثر و بیشتر ملتا ہے مثلاً اجاکس (Ajax) کا ذکر ہے جس کو انتقام کی دیویوں نے اتنی اذیت دی کہ وہ اپنی ہی تلوار پر گر پڑا۔ یا یولیسس (Ulysses) کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس نے ٹروجن (Trojan) کی جنگ میں اپنی عدم شرکت کو حق بجانب قرار دینے کے لیے بناوٹی جنون اختیار کر لیا تھا۔ اسی طرح ہاتف کی مشہور پیشین گوئیوں کو سراسر دھوکا قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ کسی حد تک ان کی تشریح ہسٹیریا کی ان علامات کے طور پر کی جا سکتی ہے جو عہد حاضر میں بھی معمول میں دیکھنے میں آتی ہیں۔

بنیادی طور پر انسانی ذہن تشریح و توجیہ کا متقاضی واقع ہوا ہے اسی لیے غیر معتدل مظاہر کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی تشریح کی کوشش بھی برابر ملتی ہے۔ جنون کی تاریخ میں ہر عہد کے معلومات و تصورات کے مطابق

ان کوششوں کے تقاضے برابر محسوس کیے گئے ہیں۔ دیوانگی کے سلسلہ میں اس قسم کی مختلف کوششوں کو ہم جنون سے متعلق نظریات کے نام سے موسوم کریں گے اور موجودہ باب کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان نظریات کے تاریخی ارتقاء کا سراغ لگاتے ہوئے ہم دیوانگی کے متعلق اس موجودہ نظریہ تک رسائی حاصل کریں جو اس کتاب کا مجموعی طور پر مدنا ہے۔

دیوانگی کے سلسلہ میں زمانہ قدیم کی یادداشتوں میں پائے جانے والے متذکرہ بالا نظریات کو "عفریتی نظریہ" (Demonological) کہہ سکتے ہیں۔ اس کے مطابق اس قسم کے مظاہر کسی روحانی وجود کے زیر اثر خواہ وہ دیوتا ہو یا شیطان وقوع پذیر ہوتے تھے جو کبھی تو انسان کے جسم میں سکونت ہی اختیار کر لیتا ہے اور کبھی باہر رہ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر یہ مظاہر اپنے زمانہ کے مذہبی خیالات کے مطابق ہوتے ہیں تو یہ طے پاتا ہے کہ قابض روح نیک و شریف ہے اور پھر ایسے شخص کو بہت مقدس تصور کیا جاتا لیکن اگر ایسے شخص کے اطوار مروجہ اخلاقی اصولوں کے منافی ہوئے تو اس کو کسی خبیث عفریت کا شکار سمجھا جاتا ہے۔ جب تک اس نظریہ کو قبول عام حاصل رہا اس وقت تک فطرتاً مذہبی رسومات اور منتر جنتر کا رواج واحد ذریعہ علاج کے طور پر باقی رہا۔

بہرکیف ہپوکریٹس (Hippocrates) کی آمد کے ساتھ ہی یعنی تقریباً 460 قبل مسیح کے آس پاس یونان میں دیوانگی کے نظریہ میں بنیادی تبدیلی واقع ہوئی۔ بانیٔ طب (Hippocrates) ہپوکریٹس نے یہ اصول پیش کیا کہ بھیجا دماغ کا آلہ ہے اور اسی عضو میں پیدا ہونے والی کسی خرابی کی وجہ سے پاگل پن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے مریضوں کو (Aesculapius) اسکولیپیس مندر سے باہر نکالا اور ان کا علاج عام طبی اصول کے مطابق کرنا شروع کیا۔

اس نظریہ کو جس سے پہلی بار سائنسی طریقوں کی مدد سے دیوانگی کو دفع کرنے کی کوشش کی، اپنے زمانہ میں بارآور ہونا نصیب نہ ہوا بلکہ 'ایام جاہلیت' (Dark ages) کے ذہنی جمود میں تو سرے سے اس کا وجود ہی باقی نہ رہا۔

زمانہ وسطیٰ کے یورپ میں فکر، ادب اور فن سب ایک طاقت در کلیسا کے خدمت گزار ہو گئے تھے۔ وجہ یہ ہوئی کہ فلسفہ کی جگہ مسلک کلامی کو (Scholasticism) اور سائنس کی جگہ تصوف کو دے دی گئی تھی۔

دیوانگی کی ماہیت اور اسباب سے متعلق مروجہ نظریات قدرتی طور پر پلٹا کھا کر ایک بار پھر قدیم عفریتی نظریہ کی طرف لوٹ گئے اور یہ نظریہ کہ غیر متوازن ذہنی علامات کسی نیک یا بد مافوق الفطرت ذریعہ کی وجہ سے پیدا

ہوتی ہیں، دوبارہ سر اٹھانے لگا۔ بلکہ ازمنہ وسطیٰ میں تو یہ خیال اپنی ترقی کی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔

اس زمانے میں پھلنے پھولنے والے درویشوں اور مجذوبوں کے یہاں نظر آنے والی وہ علامتیں جو وجدی یا وجدانی کیفیتوں کے نام سے موسوم تھیں، آج کے ذہنی مریضوں میں لگاتار دیکھنے میں آتی ہیں۔ حالاں کہ ازمنہ وسطیٰ کے مروجہ عقائد کے ماتحت ان کو براہ راست دیوتا سے اتصال کا نتیجہ کہا جاتا تھا اور ایسے لوگوں کی بڑی تعظیم و تکریم ہوتی تھی۔

دماغی خلل کی مختلف صورتوں کی طبقہ بندی کالے جادو (Black Magic) کے نام سے کردی گئی تھی۔ وسطی زمانے میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ کالے جادو کا عہد تاریخ انسانی کا انتہائی دلچسپ باب ہے اور آج بھی حل طلب مسائل سے بھرا پڑا ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ کالے جادو، سبت (Sabbath) اور بھوت پریت سے متعلق تقریبات اور رسم و رواج، یورپ کے ماقبل تاریخ والے مذہب یعنی اساطیری جرمن مذہب کی پس ماندہ یادگاریں ہیں جنھوں نے ایک مسلک کی شکل اختیار کرلی اور اصل مذہب کے متوازی چلتے رہے۔ اس طرح کے مسلک اب بھی خصوصیت کے ساتھ دماغی طور پر کمزور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتے ہیں۔ جادوگروں کے اس گروہ میں سے بہتیرے اگر آج پاگل اور خبطی قرار دیے جائیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہ ہوگی۔ کچھ مخصوص علامات جن کو آج ڈاکٹر ہسٹیریا کی علامتیں مانتے ہیں۔ پہلے جادوگروں کی نشانیاں سمجھی جاتی تھیں اور ایسی کسی عورت یا مرد کے جادوگر ہونے میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی جس میں یہ علامتیں موجود ہوتی تھیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک 'شیطانی پنجہ' کے نام سے موسوم تھی۔ اس میں آسیبی شخص کے جسم کا کوئی حصہ بے حس ہوجاتا تھا۔ آج اس کو جدید ہسپتالوں میں 'ہسٹیریا کی بے حسی' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کسی جادوگر کی ردبکاری کے لیے طریقہ کار کا تعین اس بے حس حصّہ کے وجود اور چند مزید نرالے تجربات کی مدد سے ہوجاتا تھا۔ ان خوفناک اداروں کو یورپ میں بڑا فروغ اور استحکام حاصل ہوا ان کا وجود اٹھارویں صدی تک قائم رہا۔ اس کی شدت کا اندازہ ہم کو اس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ صرف ٹریوز Treves کے علاقہ میں چھ ہزار پانچسو لوگوں کو کالے جادو کے الزام میں پھانسی پر چڑھایا گیا۔

دماغی خلل کی کچھ ایسی صورتوں کو جنھیں کالے جادو یا مقدس روحانی اثرات کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا، شیطانی آسیب قرار دے لیا جاتا تھا اور ایسے بدنصیب لوگوں پر بھوت پریت اتارنے کے تمام طریقے آزمائے جاتے اور اگر یہ طریقے کارگر نہ ہوتے تو ان کو قیدخانہ میں ڈال دیا جاتا یا سوسائٹی سے خارج کردیا جاتا تھا۔

اس پریشان کن صورت حال کی اصلاح سائنس، اور انسان دوستی جیسے فلاحی خیالات کی ترقی کی

وجہ سے ممکن ہو سکی۔ سائنس جس نے انسان کے علم و دانش میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ ابتدا میں صرف مادی دنیا کی تحقیق میں لگی تھی، لیکن اس کے رائج کردہ معروضی طریقہ کار سے دوررس نتائج بھی متوقع تھے۔ مسلک کلامی (Scholasticism) کے زوال کے ساتھ ہی پاگل پن کے سلسلے میں "عفریتی" نظریہ، کا بھی خاتمہ ہو گیا اور بالآخر ماڈرن یورپ اس مقام تک پہنچ سکا جہاں ہیپوکریٹس (Hippo Crates) ہزار سال سے بھی پہلے پہنچ چکا تھا۔ مختلف ذہنی کیفیات کا سبب ان اعمال کو بتایا گیا جو بھیجے میں ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور یہ اصول مقرر کیا گیا کہ دیوانگی اس طرح کی ایک دماغی بیماری ہے، جیسے کہ نمونیا پھیپھڑوں کی بیماری مانی جاتی ہے۔ انیسویں صدی کے اوائل ہی میں دماغی خلل کے سلسلہ میں عضویاتی اسباب کا تصور پختگی سے قدم جماتا نظر آنے لگا تھا۔

اس کے بعد جو عبوری دور آیا اس کو ہم "سیاسی دور" کہہ سکتے ہیں۔ اس میں باوجودیکہ دماغی امراض کے مریضوں کو شیطان کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا تھا پھر بھی ان کی سماجی حیثیت صفر کے برابر تھی۔ سوسائٹی کا صرف اتنا فرض سمجھا جاتا تھا کہ وہ ایسے افراد کی ایذا سے سماج کے اور لوگوں کو محفوظ رکھے۔ یہ زمانہ قید و بند اور ہتھکڑیوں کا زمانہ تھا" لوگ گندگی میں ڈوبے ہوئے ایسے "تنگ و تاریک خوفناک تنگ قید خانوں میں خس و خاشاک کے بستروں پر جن کو شاید ہی کبھی تبدیل کیا جاتا تھا اور جن کی وجہ سے چھوت کی بیماریوں کا خطرہ ہر وقت لاحق رہتا ڈال دیے جاتے تھے، جہاں جنگلی جانوروں کو رکھنے میں بھی تامل ہوتا، اور وہ ان عادی مجرموں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے جن کے ذمہ ان کی دیکھ بھال ہوتی تھی اور یہ بدبخت مریض غلاموں کی طرح زنجیروں سے جکڑ دیے جاتے تھے۔"

اس عہد کے خیرات خانوں کی دردناک تصویر کشی جس طرح ہوگر تھ (Hogarth) نے کی ہے، قلم اس کے بیان سے قاصر ہے۔

دیوانگی کے سلسلے میں انسانی ہمدردی کا سب سے پہلا قدم اٹھانے کا شرف انگلستان کو حاصل ہوا جب کہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں سینٹ لیوک کی اصلاحات لندن میں نافذ ہوئیں اور یورک میں پناہ گاہ کا قیام عمل میں آیا، یہ وہ سنجیدہ کوششیں ہیں جن کے ذریعہ پاگلوں کے مادی ماحول کو بہتر بنانے کی حقیقی جدوجہد کی گئی۔ ہنیول (Hanwell) کے ڈاکٹر کونیلی (Dr. Conolly) نے زنجیروں کا طریقہ ختم کروایا جو اب تک پاگل خانوں کے لوازم میں شامل تھا۔ اسی قسم کی اصلاحات فرانس میں پنیل (Pinel) اور اسکورل (Esquirol) کی قیادت میں کیے گئے اور اس وقت سے انسانی ہمدردی کی یہ مہم روز افزوں ترقی کرتی گئی۔ اب تمام دنیا اس کو تسلیم کرتی ہے کہ "انسانی سلوک" پاگلوں کا بھی حق ہے۔ آج کے پاگل خانوں کی صورت حال بدل چکی

ہے اور وہ راحت رسانی اور حسن انتظام کا نمونہ ہیں۔ نظم و نسق اور برتاؤ کی اس تبدیلی میں ہر ہر قدم پر سائنس نے ساتھ دیا ہے۔ سائنٹیفک طریقوں سے کام لینے سے بہت سے عمل میدانوں میں جو خاطر خواہ معلومات حاصل ہو رہی تھیں، ان کی افادیت کو دیکھتے ہوئے اٹھارویں صدی میں یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ جنون کا بھی سائنسی بنیادوں پر مطالعہ کیا جائے۔ اسی سلسلے میں سائنس کی ایک شاخ نے جس کو ماجات عمنی (سائکیٹری) کہا جاتا ہے گزشتہ سو سال میں نمایاں ترقی کی ہے اور معلومات کا قابل لحاظ ذخیرہ اکٹھا ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں عضویاتی نظریہ کو ساری دنیا میں تسلیم کیا جانے لگا تھا۔ اور تحقیقات میں بھیجے کی بناوٹ اور اس کی تشریح کو مرکزی اہمیت حاصل ہو چکی تھی اس سلسلے میں معلومات میں غیر معمولی سرعت سے اضافہ ہوا۔ خوردبین کی مدد سے بھیجے کی ساخت کی وضاحت مع جزئیات کے کی گئی۔ دماغ کی عضویاتی تشریح میں تجرباتی طریقوں کے استعمال سے اور بھی اچھی چیزیں دریافت ہوئیں۔ اس ضمن میں قابل ذکر وہ دریافت ہے جس کے مطابق دماغ کے مختلف حصے بتائے گئے ہیں اور یہ کہ ہر حصے پر کسی خاص جزئی فعل کا دارومدار ہے۔ مثلاً سر اور جسم کی تمام حرکات و سکنات بھیجے کے اس حصے کے تابع ہیں جو حرکی حصہ ([illegible]) کہلاتا ہے اگر اس کا کچھ حصہ بے کار ہو جائے تو متعلقہ جسمانی حصہ فوری طور پر مفلوج ہو جاتا ہے۔

ان معلومات نے بڑا جوش و خروش پیدا کر دیا۔ یہ خیال کیا جانے لگا کہ دماغی بدنظمی کی ماہیت اور اسباب کو جلد ہی منظر عام پر پیش کیا جا سکے گا۔ لیکن یہ امیدیں پوری نہ ہو سکیں تو رفتہ رفتہ یہ رائے قائم ہونے لگی کہ عضویاتی نظریہ اپنی اہمیت کے باوجود تمام مسائل کو حل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے اور مسئلہ کو حل کرنے کے لیے کسی اور طریقہ کار کی گنجائش موجود ہے۔ بالآخر نفسیاتی نظریہ کی ترقی نے ایک طریقہ کار فراہم کر دیا۔

نفسیاتی طرز فکر کی بنیاد اس نظریہ پر رکھی گئی کہ دماغی افعال کا بالواسطہ مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں بھیجے میں پیدا ہونے والی متعلقہ تبدیلیوں کا حوالہ دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جنون کو خالص نفسیاتی نقطۂ نظر سے بھی بہت اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

ابتدا ہی میں اس نظریہ کی ترویج کے دوران (Melaphysics) علم مابعدالطبیعیات، دنیات اور اخلاقیات کو نفسیات کے ساتھ خلط ملط کرنے سے بڑا نقصان پہنچا۔ مثال کے طور پر ہین روتھ (Heinroth) کے مطابق پاگل پن کا سبب گناہ ہے اور اس کے تدارک کے لیے مذہب پر اعتقاد حاصل ہونا لازمی ہے۔ لیکن بالآخر نفسیات خود کو تمام اجنبی سائنسوں سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہوئی اور اس طرح پاگل پن کا اپنے

طور پر مطالعہ کرنے کے لیے اس کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اس سلسلے کا سب سے بڑا قدم انیسویں صدی کے نصف آخر میں فرانسیسی ماہرین نفسیات نے اٹھایا جس کا انجام (Janet) کے مستند تحقیقات پر ہوا۔ حالیہ برسوں میں ترقی کی رفتار بڑی تیز رہی ہے۔ کریپلن (Kraepelin) فرائڈ (Freud) اور ینگ (Jung) کی تحقیقات نے جنون کے متعلق نفسیاتی نظریہ کو حقیقت کا روپ دے دیا۔

اس طرح آج دو اہم نظریے موجود ہیں ایک عضویاتی اور دوسرا نفسیاتی۔ جہاں تک موضوع کو برتنے کا سوال ہے ان دونوں نظریات کی راہیں ضرور جدا جدا ہیں لیکن دونوں کی مشترک بنیاد سائنسی طریقہ کے استعمال پر ہے

باب دوم

دماغی خلل کا نفسیاتی نظریہ

The Psychological Conception of Mental disorder

ہمارے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ ذہنی بدنظمی کے سلسلہ میں نفسیاتی نقطہ نظر کے کیا معنی ہیں؟ اس کے دستور و مقاصد کیا ہیں؟ اور اس کا عضویاتی نظریے سے کیا تعلق ہے؟ ان توجہ طلب مسائل کو سمجھنے کے لیے ابتدا ہی سے ہم کو ان بنیادی اصولوں کا علم ہونا ضروری ہے جن پر جدید سائنس کا انحصار ہے۔ اس سلسلے میں ایسے سوالات کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جو کلیتہً ہمارے موضوع کے دائرے میں نہیں آتے ہیں اور چوں کہ ان بنیادی اصولوں کو پہلے سے سمجھے بغیر علم النفس کے متعلق واضح طور پر کچھ سوچنا ناممکن ہے اس لیے فلسفہ کے میدان میں ہماری وقتی مداخلت کو معاف کر دیا جائے۔

اس امر کا اظہار کیا جا چکا ہے کہ جدید سائنس ذہنی بیماریوں کے مسائل پر دو طرفہ حملہ کر رہی ہے۔ نفسیاتی نظریہ اس کو ذہنی کیفیت کہتا ہے جب کہ عضویاتی نظریہ اس کو بھیجے میں پیدا ہونے والے تغیرات کا مظہر قرار دیتا ہے۔ یہاں ہم کو چند بہت اہم اور مخصوص اصطلاحات سے سابقہ پڑتا ہے جیسے سائنس، ذہن، دماغ، عضویاتی، نفسیاتی وغیرہ وغیرہ۔ ان کا سرسری اور غلط استعمال عام بول چال میں لگاتار ہوتا رہتا ہے مگر ان کی اہم اور متعین معنویت بھی ہے۔

یہ بات تو ہر ایک جانتا ہے کہ سائنس معلومات حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے لیکن اس سے کم ہی لوگ واقف ہیں کہ یہ طریقہ ہمیشہ اور ہر حال میں یکساں رہتا ہے خواہ موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ نفسیات کا سائنسداں اپنے موضوع کو بالکل اسی طرح برتے گا جیسے کیمیا کا سائنسداں اپنے موضوع کو۔ سائنس کا عالمی طریقہ کار چند مقرر

اقدامات پر موقوف ہے جن کو اس مثال سے آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

آئیے ہم اس کارپردازی کو دیکھیں جس کی مدد سے ہم کو ستاروں کی چال کا علم حاصل ہوتا ہے۔ علم نجوم کے ابتدائی زمانے میں سیاروں کی گردش کو متعدد خیالی مفروضات کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن کوپرنیکس (Copernicus) ٹائیکو براہی (Tycho Brahe) اور (Kepler) کی آمد نے ان کو منسوخ کردیا اور مسائل کو سائنس کے سست مگر قابل اعتماد طریقہ سے حل کرنے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ اس طریقہ کار کا پہلا محنت طلب کام بے شمار ضروری حقائق کو یکجا کرنا تھا۔ کسی مخصوص سیارہ کی چال کا کسی خاص دن بغور مشاہدہ کیا گیا، اور پھر اسی مشاہدہ کی تکرار وقتاً فوقتاً آئندہ بھی جاری رکھی گئی اور پھر کہیں ان مشاہدات کی درجہ بندی کرکے گردش کے دوران سیاروں کی مختلف مقامات پر موجودگی کا قطعی حساب لگایا جا سکا۔ اس کے بعد سیاروں کے محل وقوع کو مختصر مگر مکمل طور پر بیان کرنے کے لیے کسی اصول کی ضرورت پڑی کیپلر نے یہ دریافت کیا کہ اگر ہم سیاروں کی گردش کے بارے میں یہ فرض کرلیں کہ وہ سورج کے گرد ریاضی کی اصطلاح میں بیضوی دائرہ کی شکل میں گھومتے ہیں تو اس صورت میں جو جواب ہم کو ملے گا وہ ہماری یکجا کی ہوئی معلومات کے عین مطابق ہوگا۔ مثلاً اگر ہم کو کسی سیارہ کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ پہلی جنوری کو کس مقام پر تھا تو چونکہ ہم کو اس کی گردش کی رفتار کا علم پہلے سے ہے اس لیے ہم بہ آسانی یہ حساب لگا سکتے ہیں کہ چودہ جنوری کو وہ دائرہ میں کس مقام پر ہوگا۔ اب اگر ہم اپنے واقعی مشاہدے اور لگائے ہوئے حساب کی جانچ کریں تو دونوں کے نتائج میں قطعی مطابقت ملے گی۔ کیپلر کا یہ اصول بہت سود مند ثابت ہوا اور اسی وجہ سے اس کو سائنسی قانون کا درجہ حاصل ہوا۔

اگر ہم اس پورے عمل کا تجزیہ کریں جس کی مدد سے ہم کو یہ قانون حاصل ہو سکا تو ہم کو تین متواتر اقدام نظر آئیں گے۔ اول یہ کہ حقائق کو یکجا کرکے اس کا ریکارڈ رکھنا۔ دوئم یہ کہ ان مشاہدات کی ترتیب وار درجہ بندی کرنا۔ اور سوم یہ کہ کسی ایسے مختصر فارمولے یا سائنسی قانون کی دریافت جو حقائق کی ترتیب کو سہل اور جامع طور پر ظاہر کرسکے۔ یہی سائنسی طریقہ ہے، موضوع خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو سائنس ہمیشہ یہی اصول اپناتی ہے۔

آئیے اسی سائنٹیفک طریقہ کی ایک اور مثال پر غور کریں۔ یعنی ان مختلف ضوابط پر نظر ڈالیں جن کی مدد سے اٹمی نظریہ دریافت ہوا۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ ماہرین کیمیا نے انہیں تین اقدامات کے تحت کام کیا ہے جو کیپلر نے اجرام سماوی کے سلسلے میں اختیار کیے تھے۔ یہاں حقائق کو اکٹھا کرنے سے مراد کیمیاوی مادوں کا مشاہدہ ہے کہ کس طرح وہ آپس میں مل جاتے ہیں اور کیسے ان کے اجزاء الگ کیے جا سکتے ہیں اور پھر ان کی ترتیب وار درجہ بندی ہوتی ہے اور اسی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اتصال و انفصال میں مادہ کے اجزائے ترکیبی کی

مقدار ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے اور پھر ان حقائق کی وضاحت کے لیے سائنسی قانون وضع کیا گیا۔ یہ کام ڈالٹن (Dalton) نے سرانجام دیا۔ اس نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ کیمیادی مادے بہت چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل ہوتے ہیں جو نہایت سادہ قوانین کے مطابق اس میں مربوط ہو جاتے ہیں۔ اس اصول کی مدد سے جو مجموعی طور پر ایٹمی نظریہ کی افزائش کا سبب ہے۔ نہ صرف کیمیادی مرکبات کے انفصال و اتصال کے متعلق تجرباتی تجزیہ کی تصدیق ہوئی بلکہ یہ بھی یقینی قرار پایا کہ اسی قسم کے دیگر تجربات کا نتیجہ بھی پہلے سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ڈالٹن کی تھیوری کو طرح طرح سے آزمایا گیا اور ہر بار نتیجہ مثبت ہی نکلا۔ اس طرح یہ اصول بھی کیپلر کے اصول کی طرح ایک سائنسی قانون مان لیا گیا۔ یہ اصول ساری دنیا نے تسلیم کیا۔ اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی بے پناہ افادیت، اور اس کی تشریحی صلاحیت کے سب ہی قائل ہیں لیکن ان تمام خصوصیات کے باوجود ایک انجان آدمی کے لیے اس کی اصل حیثیت کے بارے میں غلطی کرنے کا احتمال بھی موجود رہتا ہے۔

کیپلر کے بیضوی مدار اور ڈالٹن کے ایٹمی نظریے، دونوں ہی تک سائنسی طریقہ کار کی مدد سے دسترس ہوئی پھر بھی ان کے درمیان ایک بنیادی فرق موجود ہے یعنی ڈالٹن نے نہ صرف سائنٹیفک اصول وضع کیے بلکہ اس نے ان مادوں کے بارے میں بھی قیاس کیا ہے جن پر یہ اصول منطبق کیا جا سکتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی قطعیت کے ساتھ ایٹم کے وجود کی تصدیق نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ اس کو نہ تو پہلے کسی نے دیکھا ہے اور نہ آئندہ کے لیے ایسی کوئی امید کی جا سکتی ہے۔ ایٹم سائنسی تخیل کے سوا کچھ نہیں ہے بلکہ اسی طرح جیسے روشنی اور گرمی کو ایتھر کی لہروں کے ذریعے بیان کیا گیا ہے حالاں کہ ان کو بھی کسی نے دیکھا نہیں ہے انھیں تو سائنس دانوں نے ایجاد کر لیا ہے لیکن اس سے سائنس کے لیے ان کی افادیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ان کی مدد سے بڑی حد تک حقائق کو فرض کر کے تجزیہ کا نقطہ آغاز بنایا جا سکتا ہے۔ یہ نادر خوبی سائنس کے قوانین میں ہونا ہی چاہیئے۔

اس فرق کو ہم لفظ ''منظر'' اور تصور کے درمیان پائے جانے والے فرق کی مدد سے بہ آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اول الذکر کے معنے ہیں، وہ تجرباتی حقیقتیں جن کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں جیسے رنگین اشیاء اور کیمیادی مادہ وغیرہ، اور موخر الذکر سے مراد وہ تصورات ہیں جو سائنس داں فرض کرتا ہے تاکہ وہ تجرباتی حقائق کو خاطر خواہ طریقے پر بیان کر سکے مثلاً ایٹم اور ایتھر کی لہریں وغیرہ

مختصراً، سائنسی طریقہ، کو اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ پہلے مشاہدات اکٹھا کیے، پھر ان کی مرتب طبقاتی درجہ بندی ہوئی اور آخر میں ایک تشریحی فارمولا وضع کیا گیا۔ جس کی خصوصیات میں تشریحی صلاحیت کے علاوہ آئندہ کے لیے صحیح قیاس کی اہلیت بھی شامل ہے یہ فارمولا خالص تصوراتی بھی ہو سکتا ہے یعنی ایسے مفروضات

پر مبنی ہو کا مشاہدہ نہ کرایا جا سکتا ہو. اب اگر ہم ذہنی بد نظمی کا سائنٹیفک طریقہ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو ہم کو ان ہی اصولوں کی پیروی کرنی ہوگی. اس عنوان سے عام طور پر پیدا ہونے والے نکتے تو بیان ہو چکے ہیں لیکن دشواری اب بھی موجود ہے یعنی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تحقیقات کا واحد اصول اس کو مانا جائے تو پھر نفسیاتی اور عضویاتی نظریات میں کیا فرق ہوگا؟

جسمانی یا عضویاتی نظریہ ذہنی بد نظمی کو شعوری مظہر مانتے ہوئے اس کو بھیجے میں پیدا ہونے والے تغیرات سے جوڑ دیتا ہے وہ اس نکتہ پر بہت زور دیتا ہے اور ہر ذہنی فعل کے سلسلہ میں ایسے ہی تغیرات کی تلاش کرتا ہے وہ مظاہر سے شعوری حقائق کے کوئی خاص مطلب نہیں رکھتا ہے اس کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بھیجے میں واقع تغیرات کا ربط جنون کی مختلف مریضانہ کیفیتوں سے معلوم کرے اور اس کی آخری کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا خاطر خواہ قانون مرتب کیا جائے جس کی مدد سے ان دماغی افعال کی آسان اور مکمل وضاحت کی جا سکے اس طریقہ کار میں لازمی طور پر عضویاتی اصطلاحات استعمال ہوں گی۔ یہاں شعور جیسی اصطلاحات کی قطعی گنجائش نہ ہوگی۔

نفسیاتی نظریہ شروع ہی سے دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے یہ دیوانگی کے سلسلہ میں شعوری اعمال کو ایسے مظہر کا درجہ دیتا ہے جس سے ہر حال میں اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ پھر ایسے اصول مرتب کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس شعوری عمل کی تشریح کر سکے۔ اس اصول میں قدرتی طور پر تمام تر نفسیاتی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ظاہر ہے اس میں بھیجے جیسے لفظ کی جگہ نہ ہوگی۔

یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ ان دونوں ذریعوں سے حاصل شدہ اصولوں میں اصطلاحات خلط ملط نہ ہونے پائیں کیوں کہ اس سے الجھاؤ پیدا ہوگا. عضویاتی قوانین میں نہ نفسیاتی قوانین کی شمولیت ہو اور نہ نفسیاتی میں عضویاتی کی. بھیجے کے خلیوں کو تصورات سے خلط ملط کرنے کا نتیجہ سوائے الجھن کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا چونکہ اس حقیقت کا تفصیل ذکر ہمیں موضوع سے بہت دور لے جائے گا اس لیے قاری کو اسے ایک ادعائی حقیقت کے طور پر قبول کر لینا چاہیے۔

عضویاتی اور نفسیاتی اصولوں کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لیے ہم کو فلسفہ کے اس بحث طلب سوال پر غور کرنا ہوگا کہ دماغ اور بھیجے میں کیا رشتہ ہے. لیکن اس کا ذکر یہاں فضول ہے. سائنسی نقطہ نظر سے جتنا فرق اوپر بیان کیا جا چکا ہے وہی کافی ہے.

اس کتاب میں ان تینوں سائنسی نکتوں کو منطقی طور پر ترتیب وار پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے تیسرے باب میں ذہنی بیماریوں کے مظاہر کو بیان کیا گیا ہے جنھیں ہم مختلف مریضوں میں دیکھتے ہیں. چوتھا باب

میں ان حقائق کی درجہ بندی اور ان کی تشریحات شامل ہیں۔ پانچویں باب اور اس کے بعد والے ابواب میں ان سب کی وضاحت نفسیاتی اصولوں کی بنا پر کی گئی ہے۔ یہاں پڑھنے والے کا سابقہ تصوراتی نفسیات سے پڑتا ہے۔ اگر اس نے متذکرہ بالا تصوراتی اور مظاہراتی نظریات کا فرق سمجھ لیا ہے تو اس کے لیے موضوع کے اس حصہ کو سمجھنا نسبتاً آسان ہو جائے گا۔ جدید نفسیات میں بہت سے تصورات قائم کر لیے جاتے ہیں۔ ان کا حقیقتاً کوئی مظاہراتی وجود نہیں رکھا جا سکتا۔ مثلاً ذہنی گتھیاں (complexes) یا دباؤ (repression) جیسی اصطلاحات محض فرضی ہیں جن کو کچھ مظاہر کو ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے طاقت اور قوت، گردش کے مظاہر کی تشریح کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ پھر قاری کا لاشعوری ذہنی اعمال جیسے تجریدی تصورات سے سابقہ پڑے گا جن کا مدعا ہی ذہنی اعمال ہیں جن کی خود فرد کو بھی خبر نہ ہو۔ پہلی نظر میں یہ بات قیاس میں نہ آئے گی یعنی یہ کہا جائے گا کہ اگر ذہنی اعمال کا کوئی وجود ہے تو ان کو قطعی طور پر شعوری ہونا چاہیے لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ سب فرضی قیاس ہیں جو مظاہراتی حقیقت ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے ہیں۔ اس کے باوجود نفسیات میں ان کو اہم مقام حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے فزکس والوں کے لیے ایتھر ہے[1]۔ لاشعوری ذہنی عمل اسی طرح ایک مظاہراتی لاامکان ہے جیسے بے وزن اور بے شکست ایتھر۔ دونوں مثالوں میں تصورات کو حقیقی سائنسی قانون کا درجہ صرف اس لیے حاصل ہے کہ ان میں ہمارے علم میں آنے والی حقیقتوں کی خاطر خواہ تشریح و وضاحت کی پوری صلاحیت ہے اور ان کی افادیت بھی مسلم ہے یہی بات سائنٹیفک طریقہ کار کی سب سے اہم شرط مانی جاتی ہے۔

---

[1] تحلیل نفسی، لاشعوری ذہنی افعال کو تصوراتی نہیں مانتی ہے، اس کے مطابق لاشعوری ذہنی افعال بالکل اسی طرح فرض کیے جاتے ہیں جیسے دوسروں کے شعوری ذہنی افعال، اسی لیے ان کو بھی وہی اصلیت حاصل ہے جو مظاہر کو ہوتی ہے تفصیل کے لیے Psychopathology، سائیکوپیتھالوجی، صفحہ 57 کیمبرج یونیورسٹی 1927 دیکھیے۔

باب سوم

دماغی خلل کے مظاہر

The Phenomena of mental disorder

اب ہمارا اہم کام یہ بتانا ہے کہ ذہنی بیماریوں کے سلسلہ میں نفسیاتی نظریہ کس طرح بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ ذہنی بیماری کے مظاہر ان نفسیاتی اسباب کی بنا پر وجود میں آتے ہیں جو مخصوص نفسیاتی قوانین کے مطابق برسر عمل رہتے ہیں۔

ابتدا ہی میں ہم کو ایک دشواری کا سامنا ہے اور وہ یہ کہ موضوع کو کن حالات کے تحت پیش کیا جائے یہ خاصا دقت طلب مسئلہ ہے کیوں کہ ہم کو یہ فرض کرنا پڑتا ہے کہ قاری نہ صرف ان اصولوں سے قطعی لاعلم ہے جن کی مدد سے ذہنی بیماریوں کو سمجھا جا سکتا ہے بلکہ وہ ان مظاہر کی موجودگی سے بھی قطعی بے خبر ہے۔ عام لوگوں کو جنون کا کوئی عملی تجربہ نہیں ہوتا ہے۔ پاگلوں کے متعلق عوام کے معلومات بھی انتہائی مبالغہ آمیز اور ناہموار ہوتے ہیں۔

اس غلط فہمی کے پیش نظر ان مریضوں میں ملنے والی علامتوں کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ اس مروجہ نظریے کی کچھ تصحیح کی جائے کہ عوام پاگلوں کے بارے میں کچھ بھی واقفیت نہیں رکھتے ہیں۔ کم از کم ہم اتنا تو مان کر چلیں کہ وقوع پذیر مظاہر سے ان کو سرسری واقفیت ضرور ہوتی ہے۔ موجودہ باب اسی مقصد کے لیے وقف کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں ذہنی بیماریوں کے سلسلہ میں پائی جانے والی گوناگوں علامتوں کا مکمل اور باقاعدہ بیان ناممکن ہے اس لیے ہم کو چند مخصوص اور نمایاں علامات تک ہی اس بیان کو محدود رکھنا

ہوگا اور صرف ان علامات پر توجہ صرف کرنا ہوگی جن کو دماغی اسپتالوں کا دورہ کرنے والا ہر شخص دیکھ سکتا ہے یہاں ان علامتوں کی باقاعدہ ترتیب کی بھی قدرے کوشش کی جائے گی ۔ چوں کہ ہمارا یہ بیان بہت مختصر اور ناکافی ہوگا اس لیے یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اس قسم کی پراگندہ خیالی اور الجھنیں پیدا ہوسکتی ہیں کہ جیسی ان اسپتالوں کا دورہ کرنے والا محسوس کرتا ہے ۔ لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ ہمارے قاری کو ان ذہنی بیماریوں کے کچھ اصل حقائق اور اس سلسلہ میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کا علم ہوجائے گا اور یہ امید کی جاسکتی ہے کہ مبہم تاثرات رفتہ رفتہ اگلے ابواب میں صاف ہوجائیں گے اور ایک ایسی واضح تصویر سامنے آجائے گی جس میں ہر ایک علامت کو اس کا صحیح مقام حاصل ہوجائے گا ۔

ہم شروعات کچھ ایسے عام تغیرات سے کریں گے جن کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مجموعی طور پر ذہن کو متاثر کرتے ہیں ۔ اس کے بعد ہم ان مخصوص علامتوں کو گنوائیں گے جو یا تو دوسری علامتوں کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں یا ان کا متواتر ظہور مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اس امر پر خاص طور پر دھیان دینا ضروری ہے کہ ان علامات پر ایسی کوئی بندش نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ علیحدہ علیحدہ ظاہر ہوں ۔ ایک ہی مریض میں بیک وقت ایک سے زیادہ علامات ظاہر ہوسکتی ہیں ۔

ہم سب سے پہلے جس عمومی تبدیلی کا ذکر کریں گے اس میں وہ متعدد کیفیتی ذہنی نقائص شامل ہیں جن کی وجہ سے دماغی افعال اور اس کی صلاحیتوں میں کمی واقع ہوتی ہے ، اس میں مریض کے سوچنے ، سمجھنے اور کچھ کرسکنے کی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں ۔ اس کی سمجھ بوجھ اوسط درجہ سے کم ہوجاتی ہے اور وہ غیر معمولی طور پر احمق نظر آتا ہے ۔ یہ نقائص یا تو پیدائشی ہوتے ہیں یا بعد میں عارض ہوجاتے ہیں جنھیں بالترتیب دماغی نقص (Mental deficiency) اور ڈیمنشیا کہا جاتا ہے ۔

دماغی نقص میں مریض میں پیدائش کے وقت سے ہی ذہنی صلاحیتوں کا فقدان ہوتا ہے اور بعد میں بھی ان صلاحیتوں کی مکمل نشوونما نہیں ہو پاتی ہے ۔ اس کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں انتہائی صورت یہ ہوگی کہ مریض میں اس قسم کی قوتوں کا سرے سے وجود ہی نہ ہو یا پھر وہ اوسط درجہ سے کمتر ذہانت کا مالک ہو پہلی صورت میں مریض دماغی طور پر ہمیشہ بچہ ہی رہتا ہے ۔ اس میں گفتگو کرنے ۔ یا ماحول کے مطابق اپنے کو ڈھال سکنے کی صلاحیت نہیں ہوتی ہے ۔ اس کو ساری عمر بچوں کی طرح نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ کچھ مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جو بول تو سکتے ہیں لیکن لکھنا پڑھنا ان کے بس میں نہیں ہوتا ہے ۔ کچھ دوسرے مریض ان سے بہتر ہوتے ہوئے بھی بس واجبی سی عقل رکھتے ہیں ، ان کی معلومات معمولی ہوتی ہیں ، کلیات کا ادراک نہیں کرسکتے ہیں کبھی اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں ہو پاتے ہیں اور نہ ایک عام شہری کی حیثیت حاصل

کر سکتے ہیں اس بات کو ثابت کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ مندرجہ بالا صورتیں عام طور پر دماغ کی صحیح نشوونما نہ ہونے کی وجہ سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

ڈیمینشیا ایسا نقص ہے جو بعد میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مریض ابتدا میں طبعی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے لیکن ان میں بتدریج کمی واقع ہوتی رہتی ہے جیسا کہ ہم ضعیف العمر لوگوں میں دیکھتے رہتے ہیں، جن کی دماغی کارکردگی کبھی اپنے تنزل کی آخری حد میں چھو لیتی ہے۔ اس قسم کی صورتیں ڈیمینشیا کی بہترین مثالیں قرار دی جا سکتی ہیں۔ عمر رسیدہ لوگوں میں اسی صورت حال کو سٹھیانا کہتے ہیں۔ شکسپیئر نے اس کی بڑی اچھی تصویر کھینچی ہے۔

سب سے آخری منظر (بڑھاپا)

جو حیرت انگیز، واقعات سے لبریز تاریخ کا اختتام ہے۔ دوبارہ بچپن، مکمل فراموشی

بے دانت۔ نہ آنکھ، نہ ذائقہ، اور نہ کچھ اور۔

اس قسم کا کمیتی نقصان کسی بھی عمر میں اور کسی بھی درجہ کا ہو سکتا ہے جس میں دماغی صلاحیتوں کے کند ہونے سے لے کر شدید پاگل پن کی صورتیں شامل ہو سکتی ہیں جس میں دماغ ایک ادنیٰ سا کام کر سکنے کا بھی اہل نہیں رہ جاتا ہے۔ دوسرے دماغی نقائص کی طرح ان نمودار ہونے والی ذہنی خرابیوں اور نتیجے میں پیدا ہونے والے تغیرات کے درمیان بھی باہمی رشتہ موجود ہے۔

دماغی تغیرات کی ایک اور قسم ہم کو پاگلوں میں دیکھنے کو ملتی ہے اس میں تبدیلی کمیت کے بجائے کیفیت کے اعتبار سے ہوتی ہے اس میں ذہن اپنے تجربات کے متعلق مستقل یا عارضی طور پر اپنے رویّہ کو بدل دیتا ہے۔ اس عنوان کے تحت، جوش، افسردگی اور بے تعلقی کے ایسے رجحانات شامل ہیں۔

'جوش' کے کیا معنی ہیں؟ اس سے ہر ایک واقف ہے اس لیے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ دیوانگی کے سلسلہ میں اس کا اظہار اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ دماغی طور پر صحت مند افراد میں بھی یہ جذبہ پایا جاتا ہے، لیکن دونوں حالتوں میں نمایاں فرق موجود ہے۔ ذہنی مریضوں میں اس جذبہ میں بڑی شدت پائی جاتی ہے، اور اس کے اظہار اور مریض کے واقعی حالات کے درمیان کسی قسم کی مناسبت نہیں ہوتی ہے۔ پاگل پن کی علامت کے طور پر اس جذبہ کا اظہار متعدد صورتوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کی بنیاد ہمیشہ ایک ہی ہوگی یعنی اس طرح دماغ بے اعتدالی سے اپنی قوت خارج کرتا ہے اس کی سب سے معمولی صورت (Manic excitement) جوش جنون ہے۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ اچھی طرح واضح کیا جا سکتا ہے۔

مریض مستقل حرکت کرتا رہتا ہے، ہر لحظہ کچھ نیا کام شروع کر دیتا ہے، لیکن فوراً ہی اس کو چھوڑ کر کچھ اور

شروع کر دیتا ہے۔ وہ کسی وقت خاموش یا مطمئن نہیں رہتا ہے، اس کا اظہار کرتا ہے کہ وہ نچلا نہیں بیٹھ سکتا ہے بلا کسی وقفہ کے مسلسل بولتا رہتا ہے اور ایک کے بعد ایک موضوع بدلتا جاتا ہے جن کے درمیان منطقی رشتہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کسی بھی خیال کو سلسلہ وار پیش کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا ہے اس کی توجہ معمولی معمولی باتوں کی طرف ہوتی ہے لیکن دوسرے ہی لمحہ کسی دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے بالعموم وہ ضرورت سے زیادہ خوش وخرم نظر آتا ہے اور نامعقول حد تک ماحول اور اپنی ذات سے مطمئن ومسرور نظر آتا ہے لیکن اس کا مزاج اتنا ہی متلون ہوتا ہے جتنا کہ اس کی توجہ۔ ساری خوش مزاجی ذرا دیر میں غصہ میں بدل جاتی ہے

توازن کے فقدان کے باوجود بھی جذبات کی اس شدت کو بعض حالات میں نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مریض کی صحت خراب ہے، وہ بید نحیف ولاغر ہو رہا ہے اور حال ہی میں وہ بڑی پریشانیوں میں مبتلا رہا ہے اور اس کی اور اس کے گھر کی مالی حالت بید خستہ ہو رہی ہے ساتھ ہی اس کی بدقسمتی جلد ہی اس کو دماغی اسپتال پہنچانے والی ہے تو ایسا برتاؤ بعید از قیاس نظر آتا ہے اور مریض کے موجودہ حالات اور اس کے برتاؤ کے درمیان کسی قسم کی مناسبت موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے کہ وہ شخص پاگل ہے۔

کچھ دیگر اقسام میں جوش کی کیفیت اس سے بھی شدید تر ہوتی ہے خوش مزاجی ایک دم سے شدید اشتعال میں بدل جاتی ہے۔ مریض آس پاس کے لوگوں پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور اس کو کسی حال میں قائل، معقول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایسا مریض "جنون" کی صحیح تصویر پیش کرتا ہے۔

افسردگی کی حالت جوش کے برعکس ہے اس میں مریض اپنے تمام کاموں میں سستی دکھاتا ہے۔ سوچنے سمجھنے میں اس کو دقت پیش آتی ہے اور وہ بید پریشان اور ناخوش دکھائی دیتا ہے۔

کیفیت کے اعتبار سے تیسری عام تبدیلی یعنی سرد مہری یا مردہ دلی میں مریض نہ تو جوش میں ہوتا ہے اور نہ ہی افسردہ، بلکہ وہ ہر چیز سے قطعی لاتعلق نظر آتا ہے، نہ اس کو کسی بات کا حوصلہ ہوتا ہے نہ کوئی خواہش بظاہر اس کو کسی چیز سے دلچسپی باقی نہیں رہ جاتی ہے اس کی سب سے بہتر مثال (Emotional Dementia) جذباتی انتشار ہے۔ ایسے ہی پرانے مریضوں سے اسپتال مستقل بھرے رہتے ہیں۔ اس میں مریض اپنے وارڈ کے ایک کونے میں تاثرات سے یکسر خالی چہرہ کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا رہتا ہے۔ وہ اپنے کو مشغول رکھنے کی مطلق کوشش نہیں کرتا ہے اور نہ اپنے گرد وپیش ہونے والی باتوں میں کسی قسم کی دلچسپی دکھاتا ہے۔ اگر اس سے بات کرو تو جواب نہیں ملے گا۔ یا پھر ایک آدھ بے ربط سا لفظ کہہ دے گا۔

پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوگا کہ مریض ڈمینشیا میں مبتلا ہے اور اس کی ذہنی کیفیت اور کارکردگی مجروح

ہوچکی ہے لیکن اگر ہم اس کے ذہن میں جھانک سکیں تو معلوم ہوگا کہ بظاہری ڈیمنشیا کے باوجود وہ مشاہدہ کرنے، یاد رکھنے، بلکہ پیچیدہ خیالات کو مہمیز دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے لیے کوئی محرک فراہم ہوجائے اس کی اس حالت کی ذمہ داری حد سے گزری ہوئی جذباتی سرد مہری پر رکھی جاسکتی ہے۔ مریض بالکل ساکت رہتا ہے، اپنا دماغ بالکل استعمال نہیں کرتا ہے کیوں کہ اس کو کسی قسم کی دلچسپی یا خواہش محسوس نہیں ہوتی ہے۔ تمام خارجی دنیا اس کی نظر میں ان بے شمار اور غیر اہم چیزوں کی طرح ہوتی ہے جن سے ہم کو زندگی کے ہر لمحہ میں سابقہ پڑتا رہتا ہے، مگر نظر انداز کر دی جاتی ہیں اور ان میں دماغ کھپانا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس سے کمتر درجے کے جذباتی انتشار (Edementia) میں مریض ہمارے سوالوں کے جواب دے گا اور ہو سکتا ہے کہ روزمرّہ کے کام مشین کے مانند انجام دیتا رہے۔ لیکن ان میں بھی کسی قسم کی دلچسپی، امید، منصوبہ یا حوصلہ دیکھنے میں نہیں آئے گا اور ایسے مریض اسپتال کی محدود دنیا میں قانع نظر آئیں گے۔

مندرجہ بالا تبدیلیوں کے علاوہ بھی مختلف قسم کی انفرادی علامتیں بکثرت دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان میں سے کچھ کا تذکرہ بغیر کسی ترتیب و درجہ بندی کے کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے نیند میں چلنے کو لیتے ہیں۔ یہ علامت عام طور سے ان نیوراتی مریضوں میں نظر آتی ہے جن کے بارے میں عام رائے یہ ہے کہ وہ صحیح الدماغی اور پاگل پن کے غیر مشخص دوراہے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پروفیسر جینے (Janet) نے "آئرین" (Irene) کے نام سے دی ہے وہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

"آئرین نے ایک طویل بیماری میں اپنی ماں کی تیمارداری کی، لیکن ماں جانبر نہ ہوسکی، موت سے متعلق تمام واقعات بے حد تکلیف دہ تھے۔ شدید صدمے کی وجہ سے اس کے ذہن میں ایک بے اعتدالی کی کیفیت پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں ایسی علامات ظاہر ہونے لگیں جو عام طور پر نیند میں چلنے والے کسی بھی مریض میں اکثر و بیشتر ظاہر ہونے لگتی ہیں، آئرین دوران گفتگو، یا سلائی وغیرہ کرتے ہوئے اچانک اپنا کام بند کر دیتی اور اپنی والدہ کی موت کا پورا واقعہ بڑی تفصیل سے دہرانے لگتی۔ یعنی ذہنی طور پر وہ گزرے ہوئے زمانے میں پہنچ جاتی اور اس ڈرامہ کو دہراتے وقت وہ اپنے گرد و پیش سے قطعی بے خبر ہوتی۔ نہ وہ کچھ سنتی، اور نہ دیکھتی، صرف اپنے تصورات میں کھوئی رہتی۔ نیند میں چلنے کی علامت جیسے یکایک شروع ہوکر اچانک موقوف ہوجاتی ہے بالکل اسی طرح کچھ وقفہ کے بعد آئرین اپنا پہلے والا کام اچانک اس طرح دوبارہ شروع کر دیتی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اور کسی قسم کی رکاوٹ اس دوران پیش نہ آئی ہو۔ چند روز گزرنے کے بعد یہی کیفیت دوبارہ طاری ہوجاتی، بعد میں پوچھے جانے پر وہ اس تمام واقعے سے قطعی لاعلمی ظاہر کرتی۔ بلکہ یہاں تک

نوبت پہنچی کہ وہ ماں کی موت اور اس متعلق واقعات ہی سے قطعی نا علم معلوم ہوتی تھی ایسا ظاہر ہوتا کہ وہ اس واقعہ کو بظاہر فراموش کر چکی ہے۔ وہ اپنی ماں کا تذکرہ لاپرواہی اور غیر جذباتی انداز میں کرتی جس کے لیے اس کے رشتہ دار اسے ملامت کرتے۔ اس حیرت انگیز اور محدود طریقہ پر یادداشت کے کھو جانے یا ڈیمنشیا کا تفصیل ذکر آئندہ کیا جائے گا اور اس کی مقررہ صورت اور اس کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

اب ہم اپنی توجہ علامتوں کے اس گروپ کی طرف کریں گے جس میں توہماتی مغالطہ (Hallucination) اور دھوکہ یا فریب نظر (Illusion) شامل ہیں۔ مخبوط الحواس لوگوں میں یہ علامتیں عام طور پر دیکھی جاتی ہیں توہماتی مغالطہ (Hallucination) کی توضیح ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ یہ حواس کے جعلی تاثرات ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر مریض ایسی آوازیں سنتا، اور وہ چیزیں دیکھتا ہے جن کا حقیقتاً کوئی وجود نہیں ہوتا۔ یہ دھوکہ مختلف حواس سے متعلق ہو سکتا ہے، سامعہ، باصرہ اور لامسہ وغیرہ اس سے متاثر ہوتے ہیں اسی مناسبت سے اس کے مختلف نام مقرر ہیں۔ آوازیں سننے کا وہم خصوصیت سے بہت عام ہے۔ یہ آوازیں ناگوار اور خوش کن دونوں ہی ہو سکتی ہیں۔ عموماً یہ آوازیں مریض کی ذاتی زندگی کے متعلق ہوتی ہیں۔ ان میں زیادہ تر تنبیہ یا دشنام طرازیاں ہوتی ہیں۔ اور یہ آوازیں ایک مخصوص انداز میں متعلق سنائی دیتی رہتی ہیں۔ مثلاً ایک مریض لگاتار یہ آواز سن سکتا ہے کہ "اپنے گناہوں کی پاداش میں اس کو جلد ہی سزائے موت دی جائے گی"۔ ان مظاہر کو بیان کرنے اور خود کو قائل کرنے کے لیے وہ کچھ وہمی مفروضے بناتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ یہ آوازیں ٹیلیفون وائرلیس یا روحانی ذرائع سے اس تک پہنچتی ہیں۔

توہماتی مغالطہ کا وسوسے یا سوئے فہم (Dellusion) سے بہت قریبی تعلق ہے اور عام طور سے یہ اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ ان میں فرق یہ ہے کہ (Dellusion) وسوسہ، غلط فہمی، جھوٹے احساس نہیں، جھوٹے اعتقادات ہوتے ہیں۔ اگر مریض ایسی اشیاء دیکھتا ہے جن کی خارجی حقیقت نہیں ہوتی ہے تو یہ فریب مغالطہ کہلاتا ہے لیکن اگر اس کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا کا بادشاہ ہے تو یہ توہم، سوءفہم یا غلط فہمی میں مبتلا ہونا (Dellusion) کہلاتا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہیں لیکن دو کو اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان کا اظہار زیادہ دیکھنے میں آتا ہے اور یہ ہیں تعلّی، اور جان کو خطرہ یا نقصان پہنچنے کا دائمی خوف، پہلی صورت میں مریض خود کو بلند و بالا شخصیت کا مالک سمجھنے لگتا ہے۔ یا کچھ ایسی خصوصیات اپنے میں دیکھتا ہے جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ مثلاً وہ خود کو بادشاہ، ملکہ یا مشہور موجد سمجھتا ہے اکثر اوقات اصل سوءفہم کا اظہار نہیں بھی ہوتا ہے لیکن اکثر شخصی اہمیت کا اظہار بڑی تعلّی کے ساتھ بناوٹی چال، ڈھال اور طور طریقے اپنا کر ہوتا ہے۔ گفتگو میں ادعائی فرہنگ اور دوسرے اونچے طریقوں کا استعمال بڑی شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم کے مریض اس واہمہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کو نقصان پہنچانے کی سوچی سمجھی کوششیں کی جاتی ہیں۔ سب لوگ اس کو اپنی جان کے درپے نظر آتے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں اکثر واہمہ کے (Hallucination) کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں کبھی آوازیں مریض کو تخت کے جائز حقدار کی حیثیت سے خوش آمدید کہتی ہیں اور کبھی برا بھلا کہتی ہیں اور قسمت کی نحوست سے خوفزدہ کرتی ہیں کبھی یہ دونوں صورتیں بھی ساتھ ساتھ ہو جاتی ہیں یعنی مریض خود کو بادشاہ تو سمجھتا ہے لیکن ساتھ ہی اس سازش سے خوف زدہ رہتا ہے جو اس کو تخت سے ہٹانے اور اس کے پیدائشی حق کو غصب کرنے کے لیے کی جارہی ہے اس طرح واہمہ پھیل کر بڑا پیچیدہ بن جاتا ہے۔ بیمار مریض کے تمام تجربات کی شکل اس وقت تک بگڑتی رہتی ہے جب تک کہ ان کو اس واہمہ (Hallucination) کے نظام میں مناسب مقام نہیں مل جاتا ہے۔

ستائے جانے کے جس خبل اور دائمی خوف میں مریض مبتلا رہتا ہے اس کی ایک صورت کا نام سیاق و سباق کا سوء فہم (Dellusion of Reference) ہے اس میں مریض اپنے گرد و پیش رونما ہونے والے تمام واقعات کے خواہ وہ کتنے ہی غیر اہم کیوں نہ ہوں غلط معنی نکالتا ہے اور ہر بات کو اپنی ذات سے منسوب کر لیتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ ان سب کا مقصد اس کو کسی نہ کسی طرح کا نقصان پہنچانا ہے۔ اگر وہ اپنے دو ساتھیوں کو آپس میں گفتگو کرتے دیکھتا ہے تو وہ فرض کر لیتا ہے کہ موضوع گفتگو خود اس کی ذات ہے کسی بھی اتفاقی نقصان کو وہ قصداً پہنچایا جانے والا نقصان ہی تصور کرتا ہے۔ خیالات کی یہ فاسد تعمیر کبھی کبھی حد سے زیادہ واہیات اور مہمل ہو جاتی ہے۔ کمرہ کے فرنیچر کی ترتیب میں اگر اس کو معمولی سا بھی رد و بدل نظر آئیگا تو وہ اس کو دشمن کی طرف سے کسی قسم کا اشارہ سمجھ بیٹھے گا یا کھانے کی پلیٹ میں ذرا سا دھبہ اس کو زہر دیے جانے کا ثبوت معلوم ہوگا۔

سوء فہم کے خبط میں مبتلا مریض کی خاص خصوصیت اس کا اٹل رویہ اور مخالف دلائل کی طرف سے مکمل لاپرواہی ہے یعنی اس کو کسی قسم کی ترغیب یا دلائل سے قائل نہیں کیا جا سکتا ہے خواہ کتنے ہی ٹھوس ثبوت مخالفت میں پیش کر دیے جائیں وہ اپنے غلط خیالات پر سختی سے جما رہے گا۔

سوء فہم کا اثر شخصیت پر کس حد تک پڑتا ہے اس میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ مریض اپنے خیالی دشمنوں پر حملہ تک کر بیٹھتے ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کے مریض سوسائٹی کے لیے بڑے خطرناک ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس خاصی بڑی تعداد میں ایسے مریض ملیں گے جن کے ظاہری برتاؤ میں کوئی فرق دیکھنے میں نہیں آئے گا۔ حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان کے اعتقادات خیالات اور ان کے ظاہری برتاؤ میں مضحکہ خیز حد تک تضاد اور بے ربطی ملے گی۔ یعنی کوئی شہزادی بڑے اطمینان سے اپنے وارڈ میں زمین کا فرش صاف کرتی ملے گی اور

لکھ پتی صاحب بڑی عاجزی کے ساتھ ذرا سا تمباکو مانگتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اب ہم مظاہر کے اس گروپ کی طرف توجہ دیں گے جس کو خبط (obsession) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ فہم سے بظاہر بڑی قریبی مشابہت رکھتے ہیں لیکن دونوں کے درمیان امتیاز کرنا ضروری ہے۔ دیوانگی کی اصل صورتوں میں (obsession) کم ہی دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ یہ کچھ مخصوص قسم کے نیورالیٰ خلل کی ہی خاصیت ہے۔ اس کی تعریف ہم اس طرح کر سکتے ہیں "کہ یہ شعور میں کسی چیز کو فوق العادت اہمیت دینے کو کہتے ہیں"۔ اس میں مریض دماغ میں کسی ایک ہی خیال کے بار بار پیدا ہونے یا کسی نامناسب اور غیر متعلق کام کو بار بار کرتے رہنے پر مجبور ہونے کی شکایت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے حاصل کرنے کی تمام کوششیں کر ڈالتا ہے۔ مثلاً کسی مریض کو مسلسل یہ خیال پریشان کیے رہتا ہے کہ اس کو کینسر ہو گیا ہے حالانکہ خود اس کو قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے اور اس قسم کی کوئی علامت موجود نہیں ہے درحصل مریض یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ کینسر کا مریض نہیں ہے۔ پھر بھی وہ اس خیال سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتا ہے اور خود کو برابر یقین دلاتا ہے کہ یہ خیال بے بنیاد ہے۔ اور اس باطل خیال کی عدم موجودگی میں سو فہم سے (Dellusion) خبط (obsession) کو علیحدہ کرتی ہے۔

ایک اور صورت یہ ہے کہ مریض کچھ بے کار اور غیر ضروری کام بار بار کرتے رہنے کو اپنے کو مجبور پاتا ہے۔ فرائڈ نے ایک ایسی صورت کا ذکر کیا ہے جو بینک سے آنے والے ہر نوٹ کے نمبر کا بڑی احتیاط سے معاینہ کرنا اپنے لیے اشد ضروری سمجھتی تھی۔ اس مرض کی ایک عام صورت وہ ہے جس میں مریض ہر گھڑی ہاتھ دھوتا رہتا ہے حالانکہ وہ اپنی حماقت سے واقف ہوتا ہے لیکن اس پر قابو پانا اس کے بس سے باہر ہوتا ہے، وہ اپنا زیادہ تر وقت، اور طاقت اس چکر سے نکلنے میں لگا دیتا ہے مگر بے کار۔

آیئے اب ہم ایک اور عجیب وغریب علامت کی طرف دھیان دیں یہ زیادہ تر پرانے اور طویل المیعاد جنون میں دیکھنے میں آتی ہے اس میں مریض کسی مخصوص وضع کے فعل کی تکرار دن رات ایک ہی انداز میں کرتا رہتا ہے اور اس کی تمام ذہنی قوت اس میں صرف ہوتی رہتی ہے۔ اسی عنوان سے برسوں گزر جاتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ مریض میں کسی قسم کا حوصلہ، دلچسپی یا خواہش نہ تو باقی رہ گئی ہے اور نہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ مخصوص وضع کے افعال مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں۔ سادہ یا پیچیدہ بھی ہوتے ہیں، مثلاً ہاتھ یا سر کی متوازن جنبش، جیسے کہ کوئی ماہر کاریگر اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کر رہا ہو۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض اکتا دینے والی یکسانیت کے ساتھ کسی لفظ یا جملہ کی برابر تکرار کرتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر میرے ایک مریض نے سالہا سال حالت بیداری کا اپنا سارا وقت صرف یہ جملہ کہنے میں صرف کیا "یہ سب غلط ہے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں"۔

دیوانگی کی دیگر اہم علامتوں میں طرزِ کلام، الفاظ اور جملوں کے استعمال اور بندش کی تبدیلی بھی شامل ہے۔ مینیا کے جوش میں غیر مربوط، تند و تیز گفتگو کرنے کا ذکر تو پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اکثر یہ تبدیلیاں بہت نمایاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے تمام گفتگو بے ربط ہو کر مضحکہ خیز ہو جاتی ہے جس میں ٹوٹے پھوٹے جملے ہوتے ہیں اکثر الفاظ جگہ بدل لیتے ہیں یا غائب ہو جاتے ہیں۔ گرامر کے ضوابط تو سرے سے ندارد ہی ہو جاتے ہیں۔ بے ربط گفتگو کی ایک اچھی مثال دیکھیے۔ تمہارے پاس کونسے حروف تہجی ہیں۔ کیا تم اس کو یونانی میں لکھتے ہو، کیا تم طاقت لکھتے ہو، یہ تصویر کشی پریشانی ہے، یک طرفہ اس میں پاتا ہوں۔ مسٹر جان میکال کی وضعدار، عضویاتی ڈیزائن نیلی لکیر یہی نتیجہ ہے، فرض کی طاقت ہے تم پر منحصر ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اکثر اپنی علمی لیاقت کے اظہار کے لیے فقرات کا عجیب استعمال کرتا ہے جس میں کثیر رکنی الفاظ کا استعمال اصل مطلب سے کوئی سروکار رکھے بغیر ہوتا ہے مثلاً ایک مریض شکایت کرتا ہے کہ اس کی صحت میں واعوجاج پیدا ہو گیا ہے، اور نیز یہ کہ "برخلاف قانون ماحول اور ظالمانہ رسوم کا صدر نزول ہے"۔ بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ مریض یہ عالمانہ گفتگو اپنی اہمیت جتانے کے لیے کرتا ہے اس کو اپنی بڑائی اور اپنی گفتگو ظاہر کرنے کا خبط ہو جاتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس طرح کا تصنع اپنے کو اہم سمجھنے کا خبط ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے کتنی مشابہت رکھتا ہے۔

فی الحال جنون کی علامتوں کا یہ سرسری جائزہ بھی کافی ہے۔ اس کے نامکمل ہونے کا تذکرہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مریضوں کے ساتھ واقعی سابقہ پڑنے کے بعد جو اصل تصویر سامنے آتی ہے اس کی نہ تو یہاں گنجائش ہے اور نہ ہم ایسی تصویر یہاں پیش کر سکنے کی امید رکھتے ہیں، آئندہ ابواب میں کچھ اور علامتوں کا تذکرہ بسبب موقع کیا جائے گا اور کچھ انفرادی کیس اور ان کی حالتوں کا نسبتاً مکمل بیان ہوگا۔ جس کی مدد سے یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ یہ علامتیں کس طرح یکجا ہوتی ہیں اور ان کی توسیع کس طرح سے ہوتی ہے

باب ۴ چہارم

انتشار

Disintegration

گزشتہ ابواب میں ہم نے ذہنی بیماریوں کی کچھ نمایاں علامات بیان کی ہیں۔ ایک ناتجربہ کار انسان کی نظر میں ان کی حیثیت خود مختار اور غیر مربوط حقائق کی انفرادیت کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگی لیکن توجہ سے جائزہ لینے پر یہ بات معلوم ہوگی کہ مریضوں میں پائے جانے والی مختلف علامات میں کچھ خصوصیات مشترک ہوتی ہیں، جن کی مدد سے ملتے جلتے مظاہر کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور باہم مربوط کرکے ان میں ترتیب پیدا کی جا سکتی ہے

اول یہ کہ دماغی نااہلیت اور عام دماغی بیماریوں Dementia کو ایک جگہ رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ان خرابیوں کی وجہ ذہنی کارکردگی کی مجموعی کیفیتی خرابی ہی ہوتی ہے اور اس لحاظ سے ان تمام مظاہر سے مختلف ہیں جن کا بیان تیسرے باب میں کیا گیا ہے۔ عام طور پر ان حالات کے ساتھ کوئی نہ کوئی دماغی ساخت کی خرابی ضرور شامل ہوتی ہے۔ معلومات کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے ہم کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ ان کے اسباب معلوم کرنے کے سلسلے میں نفسیاتی نقطہ نظر کو نسبتاً کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ اس کے برعکس اس قسم کی چھان بین کے سلسلے میں عضویاتی نظریہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ نفسیات، دماغی ساخت سے متعلق سبب سے پیدا ہونے والے نقائص کو نظرانداز کر سکتی ہے، ساتھ ہی ساتھ اس میں یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ وہ دیگر مظاہر سے ان تبدیلیوں کا تعلق بیان کر سکے۔ لیکن یہاں جو سوال درپیش ہیں وہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہیں اور ان پر قابل اطمینان

طریقے سے اس وقت تک غور نہیں کیا جا سکتا ہے جب تک موضوع سے پہلے مکمل واقفیت نہ ہو۔ اس خیال کے پیش نظر اس کتاب میں ہم ذہنی نقائص یا عام ذہنی بیماریوں کا اب مزید تذکرہ نہیں کریں گے بلکہ اپنی تمام تر توجہ ان تبدیلیوں پر رکھیں گے جو ذہنی افعال میں، کیفیت کی تبدیلی کی وجہ سے رونما ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ اس کتاب میں بیان کیے گئے مظاہرہ کا ایک بڑا حصہ ہیں انھیں پر مشتمل ہے۔

غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ علامتیں انھیں ذہنی افعال کی مبالغہ آمیز شکلیں ہیں جن سے ہم سب ہی لوگ واقف ہیں مثلاً جوش اور افسردگی، ایسی کیفیات ہیں جو ہر صحت مند آدمی میں دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ذہنی مریضوں میں ان کا اظہار بغیر کسی مناسب وجہ کے بڑی شدت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اثر خیز، جذباتی، ہیجان بحث مند افراد میں اکثر و بیشتر نظر آنے والی 'سرد مہری' اور بے عزمی کی مبالغہ آمیز صورت ہی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ایسے مریضوں پر اثر انداز ہونے والی دیگر علامات، اور ان علامات میں جو نارمل لوگوں میں دیکھنے میں آتی ہیں فاصلہ بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جذبات میں نہ صرف غیر ضروری شدت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ان کی ہیئت ہی بگڑ جاتی ہے جس کے سبب سے دو علامتیں اور بھی لغو اور مہمل نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح مریض جو بے معنی اور بے ربط جملے بولتا رہتا ہے ان کو کوئی مناسبت ان خیالات یا زبان سے نہیں ہوتی ہے۔ جن سے ہمارا روزمرہ سابقہ پڑتا رہتا ہے آخر میں ہمارا سابقہ مغالطہ اور خبط (Dellusion & Hallucination) کی عجیب و غریب اور ناقابل فہم علامتوں سے پڑتا ہے۔ یہاں تمام مثالیں ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں اور مجبوراً ہم پاگل کو 'پاگل' کہہ کر خاموش ہو رہتے ہیں۔

اصل پاگل پن کو بیان کرنا یہ اور کیا ہے، سوائے پاگل پن کے

جیسے جیسے ہم اور آگے بڑھتے جائیں گے ہم دیکھیں گے کہ جنون کی بہت سی گھٹیا قسم کی علامتیں خود ہمارے ذہنوں میں جاری عمل سے کچھ ایسی زیادہ مختلف نہیں ہوتی ہیں اور جتنا ہی ہم کسی خبطی شخص کے اذیت ناک نہاں خانہ کو اچھی طرح جھانک کے دیکھیں گے اتنا ہی وہ ہم سے مشابہ نظر آئے گا۔

اس مقصد کے پیش نظر کہ پڑھنے والا بھی اس نظریہ کو سمجھ سکے Dissociation of consciousness یعنی 'انتشار شعور' کے نظریہ سے واقف کروانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس نظریہ کو نفسیات کی اس شاخ میں جو پاگلوں سے تعلق رکھتی ہے شروع سے آخر تک بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ ہم اپنی ذہنی آنکھ کو کسی مقررہ وقفہ میں اپنے ذہن کے 'شعوری میدان' کی طرف موڑیں تو قرین قیاس یہی ہے کہ ہم اس کو ایک ناممکن التقسیم اکائی، یا یکساں خیالات، احساسات و ارادوں کا ایک دھارا کہیں گے جو باہم متحد ہو کر ایک ہی منزل کی طرف رواں ہے ہم کو ایسا ہرگز نہ معلوم ہوگا کہ یہ ایسے

مختلف اجزاء سے مل کر وجود میں آیا ہے جو ایک دوسرے سے بے نیاز مختلف سمتوں میں رواں ہیں۔ ایک مثال لیجیے۔ اگر میں ریاضی کا ایک سوال حل کر رہا ہوں تو وقتی طور پر میرا شعور انھیں ذہنی افعال کی آماجگاہ ہوگا جن کی اس سلسلے میں ضرورت ہوگی۔ کچھ ہی لمحوں میں ہو سکتا ہے میری توجہ ریاضی سے ہٹ جائے اور میں آنے والی چھٹیوں کے سلسلے میں پروگرام بنانے لگوں۔ اب وقتی طور پر ریاضی کا سوال شعور کے میدان سے کہیں پیچھے چلا جائے گا۔ ریاضی اور چھٹیوں کا پروگرام دونوں بیک وقت ذہن میں جگہ نہیں پا سکتے ہیں۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا دھیان انتہائی سرعت سے ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ہو۔ باوجودیکہ ان دونوں موضوعات کے درمیان کوئی مناسبت موجود نہیں ہے۔ لیکن کوئی ایسی کڑی موجود ہے جو ذہن کو اس درمیانی شگاف کو پر کرنے میں مدد دیتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس دوران میں خیالات کا یہ تسلسل بظاہر کہیں سے ٹوٹتا ہوا نظر نہیں آتا ہے۔

اس صورت حال کو صحت مند دماغ کے سلسلہ میں تو کسی حد تک صحیح قرار دیا جا سکتا ہے لیکن ہمارے کچھ مریضوں کے معاملہ میں صورت حال اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے جن کے دماغ میں یکساں خیالات کے دھارے کسی ایک منزل کی طرف رواں نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہاں مختلف ذہنی اعمال ایک دوسرے سے بے تعلق اپنی راہ چلتے نظر آتے ہیں۔ اس صورت حال کو جس میں دماغ مختلف ایسے آزاد اجزا میں بٹ جاتا ہے جن کا کوئی مشترک و مربوط مقصد نہیں ہوتا ہے، شعور کا بکھرنا یا انتشار کہتے ہیں مختلف طرح کی کچھ مثالیں اس کی وضاحت کر دیں گی۔

اس امر کا اظہار پہلے بھی کیا جا چکا ہے کہ نارمل ذہن بھی ہمیشہ 'شعوری کیفیات' کو غیر منقسم شکل میں پیش نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ اولاً ہمیں گمان ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ میں پیانو پر ایک دھن بجا رہا ہوں۔ اب اگر میں ایک ماہر پیانو نواز ہوں تو بیک وقت کچھ پیچیدہ و آزاد خیالات کا سلسلہ بھی میرے ذہن میں سرگرم عمل ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی انتظامی معاملہ کا حل اور تصفیہ۔ یعنی میرا شعور دو بالکل مختلف قسم کے ذہنی اعمال میں بٹ جائے گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں جگہ خاصی دماغی قوت خرچ ہوگی۔ پیانو پر دھن ہو سکتا ہے میرے لیے بالکل نئی ہو اور اس میں متواتر تبدیلیوں پر دھیان رکھنا ضروری ہو اسی طرح انتظام کا مسئلہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہت پیچیدہ ہو، اس صورت میں میدان شعور دو حصوں میں بٹ جائے گا دوسرے الفاظ میں 'انتشار شعور' نمودار ہو جائے گا اسی قسم کی اور بھی صورتیں دیکھنے میں آتی ہیں جیسے کہ کبھی ایک ماہر رقاص، اپنی ہنرمندی کا اظہار کرتے وقت بیک وقت دوسرے خیالات میں بھی الجھا رہتا ہے۔

ان تمام صورتوں میں شعوری تقسیم عارضی اور نامکمل ہوتی ہے اور دونوں افعال اس شخص کے تابع

ہوتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق وہ جس کو چاہے ترک بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ہمارے مریضوں کے یہاں یہ تقسیم زیادہ نمایاں ہوتی ہے اور اس پر مریض کو کوئی اختیار بھی نہیں رہ جاتا ہے۔

آیئے ہم بے ارادہ لکھائی (automatic writing) کے مظاہر کو دیکھیں۔ یہ عجیب و غریب حالت کبھی کبھی نارمل لوگوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، لیکن اس کی انتہائی شکل ہسٹیریا کے مریض میں نظر آتی ہے۔ فرض کیجیے کہ ایسے ہی ایک مریض کو ہم باتوں میں لگالیں، اور جب اس کی توجہ اچھی طرح منبدل ہوجائے تو ہم اس کے داہنے ہاتھ میں پنسل پکڑا دیں، اور اب اگر کوئی تیسرا آدمی آہستہ آہستہ اس کے کان میں کچھ سوالات کرے تو عین ممکن ہے مریض ان کے جواب لکھنے لگے۔ اگرچہ وہ اپنی گفتگو اسی انداز میں جاری رکھے گا اور اس بات سے قطعی لاعلم رہے گا کہ اس کا داہنا ہاتھ کیا کر رہا ہے۔ ان حالات میں وہ ان واقعات سے بھی قطعی بے خبر ہوگا جنھیں اس کا ہاتھ غیر اختیاری طور پر لکھ رہا ہوگا۔ عام طور پر یہ بھولے بسرے واقعات اس کی گزشتہ زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی یہ تجربہ خاص کر انھیں فراموش کردہ یادوں کو دوبارہ تازہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ خاص واقعات کو بھول جانے کا یہ عمل زمانہ کے اعتبار سے دور تک پھیلا ہو سکتا ہے اور اس میں شامل باتیں بہت اہم ہو سکتی ہیں۔ یہ ہسٹیریا کے مریضوں کی ایک خاص علامت مانی جاتی ہے۔

روحانی اثرات کے سلسلے میں اس طرح بلا ارادہ یا خود بخود لکھنے کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنے والوں کے مطابق کوئی روح دنیا کو اپنی خواہشات اور پیغام پہنچانے کے لیے مریض کا ہاتھ استعمال کرتی ہے۔ جہاں تک خود اس مظاہرہ کا تعلق ہے اس کی تشریح بہت آسان ہے۔ یہاں شعور کا دو حصوں میں قوی تجزیہ ہوا ہے۔ ایک گفتگو میں اور دوسرا لکھنے میں مصروف ہے۔ دونوں حصے ایک دوسرے سے قطعی لاعلم پیچیدہ ذہنی اعمال میں مصروف ہیں۔ دونوں میں آپسی تعلق ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ گویا دو چھوٹے چھوٹے دماغ مختلف یادداشتوں سے کام لیتے ہیں، آزادانہ برسرِعمل رہتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے وجود سے بھی بے خبر رہتے ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں مکمل انتشارِ شعور کی مثال فراہم کرتے ہیں اس سلسلے میں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ خواہ پہلی نظر میں دیکھنے پر یہ صورت کتنی ہی حیرت انگیز اور ناقابلِ فہم کیوں نہ لگے، مگر واقعتاً یہ اس شعوری تقسیم کی ایک مبالغہ آمیز صورت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو اکثر نارمل لوگوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

اب اس سے ذرا سی مختلف صورت کو دیکھیے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ یکساں خیالات کے تسلسل میں جو معتدل ذہن کی خصوصیت ہے کہیں رخنہ نہیں پڑتا ہے لیکن اس دوران یہ ممکن ہے کہ یک بیک کوئی **بالکل نیا خیال**

دماغ میں پیدا ہو جائے اور اس طرح جو دراڑ پیدا ہوتی ہے اس کے لیے یہ دکھانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ کوئی مربوط خیال اس کو پاٹنے کا کام کر دیتا ہے۔ ساتھ ہی کسی بھی مقررہ وقفہ یا لمحات میں شعور کو اس کا علم رہتا ہے کہ اس سے پہلے کے لمحات میں شعور سے کون سے ذہنی افعال سرزد ہوئے تھے۔ لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ شعور کا یہ تسلسل اچانک ٹوٹ جائے اس صورت میں ظاہر ہے کہ اس مخصوص لمحے کے پہلے اور بعد کے شعوری افعال اور خیالات ایک دوسرے سے اجنبی ہو جائیں گے، وہ خودمختار ہوں گے اور ان کے درمیان کسی قسم کا رابطہ بھی باقی نہ رہ جائے گا۔ اور نئے خیالات فوری طور پر شعور میں جگہ پا جائیں گے اور فرد کو یہ احساس بھی نہ ہوگا کہ شعور میں پہلے کیا ہو رہا تھا۔ اس صورت میں شعور بیک وقت دو حصّوں میں تقسیم نہیں ہوتا ہے بلکہ بعد والے لمحات کا شعور قبل والے لمحات کے شعور سے منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ ہم نیند میں چلنے کی بیماری کے سلسلے میں دیکھ چکے ہیں کہ خیالات کا تسلسل کس طرح بکھر جاتا ہے گزشتہ باب میں آئرین کے واقعہ کا ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح وہ اچانک کام کاج چھوڑ کر گردوپیش سے قطعی بے خبر ہو کر ایک طیفی عالم میں، اپنی والدہ کی موت کے مناظر کو دہرانے لگتی تھی اور پھر اچانک ہی خواب خرامی کا سلسلہ ختم ہو جاتا اور وہ دوبارہ اپنے آپ میں آ جاتی یعنی جو کام وہ پہلے کر رہی ہوتی اس کو بڑے سکون سے دوبارہ اسی طرح شروع کر دیتی جیسے درمیان میں کوئی وقفہ گزرا ہی نہ ہو۔ اگر بعد میں اس سے سوالات کیے جاتے تو وہ اس کیفیت سے قطعی لاعلمی ظاہر کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عام متوازن ذہن کے برخلاف خیالات کے تسلسل کے منقطع ہونے کے لمحات سے لے کر دوبارہ اس کے شروع ہونے تک آئرین کی یادداشت میں ایک خلا پیدا ہو جاتا تھا۔ شعور کا مقابلہ اگر ہم سینما کے پردے پر نظر آنے والی فلم سے کریں تو دیکھیں گے کہ وہاں تصویروں کی لگاتار تبدیلی ایک ہی فلم کے ذریعہ عمل میں آتی ہے جب کہ نیند میں چلنے کی صورت میں انتشار شعور کی وجہ سے گویا ایک فلم اچانک ہٹا دی جاتی ہے، اور دوسری بالکل ہی مختلف موضوع کی فلم اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس کے برخلاف بلاارادہ لکھنے میں یہ ہوتا ہے کہ جیسے دو مختلف فلمیں ایک ہی وقت میں، ایک ہی پردہ کے دو حصوں پر دکھائی جا رہی ہوں۔

آئرین کے واقعہ خواب خرامی میں انتشار کی دخل اندازی کی وجہ سے تقسیم شعور اور خیالات کی بناوٹ نسبتاً سادہ ہے۔ اس میں ماں کی موت کے واقعات کے علاوہ کوئی اور بات بہت کم شامل تھی۔ بس ایسا لگتا ہے کہ خواب خرامی میں مریضہ کا ذہنی پھیلاؤ بہت تنگ ہو گیا ہے۔ لیکن کچھ دیگر صورتوں میں یہ تقسیم بہت پیچیدہ اور مکمل ہوتی ہے، جس میں مریض کی مکمل ذہنی زندگی شامل ہو جاتی ہے۔ ان صورتوں میں مریض نسبتاً انتشاری کیفیت کے باوجود معمول کے مطابق نظر آتا ہے اس کا برتاؤ ماحول سے پوری مناسبت بھی رکھتا ہے۔ یہ صورت خواب خرامی کے مرض میں محسوس نہیں ہوتی بلکہ 'دوسری شخصیت' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

دوہری شخصیت کے معاملہ میں ڈرامائی انداز کی وجہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، اور یہ ناولوں کے لیے بڑا دلچسپ موضوع بن گیا تھا جس کی مشہور مثال آر۔ ایل۔ اسٹیونسن کی ناول مسٹر جیکال اور مسٹر ہائیڈ ہے۔ دوہری شخصیت کی مثال اتنی کمیاب بھی نہیں تھی جتنا کہ اس کو سمجھا جاتا تھا۔ اکثر اس کے حقیقی مریض دیکھنے میں آئے ہیں۔ ولیم جیمس نے ایسا ہی ایک اصلی کیس (Rev Ansel Bourne) کے نام سے کیا ہے۔ اس کا ذکر ہم یہاں کر رہے ہیں۔

17 جنوری 1887 کو پادری اینسل بورن پراوڈینس بنیک سے خاصی بڑی رقم نکالنے کے بعد ایک ٹرام میں سوار ہوئے۔ اس کے بعد کیا ہوا ان کو کچھ خبر نہیں۔ اس روز وہ اپنے گھر نہیں پہنچے اور نہ ہی دو مہینے تک ان کی کوئی خبر ملی۔ اس درمیان میں پنسلوانیا کے نورس ٹاؤن میں چھ ہفتے پہلے اے۔ جے براؤن نامی ایک شخص نے ایک دکان کرایہ پر لے کر جنرل اسٹور کھولا کہ ۱۴ مارچ کو صبح کے وقت اچانک وہ دہشت زدہ ہو کر گھر والوں سے پوچھنے لگا کہ "میں کہاں ہوں" اس نے اپنا نام اینسل بورن بتایا اور دوکان کے بارے میں قطعی لاعلمی ظاہر کی اور بتایا کہ کل ہی کی تو بات ہے جب اس نے بنیک سے روپیہ نکلوایا تھا۔ اس مثال سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہاں شعوری خیالات یا افعال کا تسلسل اچانک بڑی شدت کے ساتھ منقطع ہوگیا تھا اور بالکل ہی شعوری افعال نے اپنا کام شروع کر دیا تھا اور اس پیچیدہ ذہنی عمل کی وجہ سے مریض دو مہینے تک بظاہر معمول کے مطابق زندگی گزارتا رہا اور پھر اچانک اس کا سلسلہ ٹوٹتا ہے اور مریض اپنی گزشتہ حالت پر واپس چلا جاتا ہے یہ بات واضح ہے کہ نیند میں چلنے کی بیماری کے مقابلہ میں یہ حالت بہت پیچیدہ تھی اور اس میں اعمال و خیالات کا پھیلاؤ بھی بہت وسیع تھا۔

آیئے ہم خیالات کے دھاروں کے اس طرح ٹوٹ یا بکھر جانے کی کچھ اور مثالیں دیکھیں بلاارادہ لکھنے اور خواب خرامی میں کام کرنے کی مثالوں میں دو خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ سلسلہ خیالات کے اس طرح ٹوٹنے سے شعور و شخصیت، یا ایگو قطعی لاعلم رہتی ہے۔ مثلاً معمول پر آنے کے بعد آئرین کو ان خیالات یا حرکات کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں رہ جاتا تھا جو وہ نیند کی حالت میں انجام دیتی رہتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ افعال کا یہ دوسرا نظام خود بخود پیدا ہو جاتا ہے، یعنی اس کے لیے شعور، شخصیت یا ایگو پر بالکل انحصار کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اور نہ ہی ان کا کچھ اختیار باقی رہ جاتا ہے۔ نیند کی حالت میں کیا کرنا ہے اس کو آئرین پہلے سے طے نہیں کر سکتی تھی۔ ماں کی موت سے متعلق تصورات خود کار نظام کی طرح وجود میں آجاتے تھے جن پر شخصیت کا بس نہیں چلتا تھا۔

اسی طرح وہ مریض جو بلاارادہ لکھنے لگتا ہے خود نہیں جانتا ہے کہ وہ کیا لکھ رہا ہے بلکہ اس کو تو یہ

خبر بھی نہیں ہوتی ہے کہ وہ کچھ لکھ بھی رہا ہے نہ وہ خیالات کے تسلسل کو تبدیل کر سکتا ہے ، ورنہ یہ حکم دے سکتا ہے کہ ہاتھ کیا لکھے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیالات کے اس طرح منقطع ہونے کی صورت میں ان دونوں خصوصیات کی موجودگی ضروری ہے، یا کسی ایک کی ؟ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ایک ہی ضروری ہے تو دونوں میں سے کونسی خصوصیت لازمی قرار دی جائے ؟ انتشار شعور سے شخصیت کی بے خبری یا انتشار کے آزادانہ اور بے قابو وجود و کارکردگی کو

تھوڑی توجہ دینے پر معلوم ہوگا کہ ان تمام صورتوں میں جہاں پہلی خصوصیت نظر آتی ہے وہاں دوسری خصوصیت بھی ضرور موجود ہوتی ہے۔ اگر کسی خاص مریض کے ذہن میں کچھ ایسے خیالات ہیں جن کا علم اس کی شخصیت کو نہیں ہے تو یہ ایک لازمی امر ہے کہ ایسے خیالات بالکل مطلق العنان ہوں گے اور شخصیت کے تابع نہ ہوں گے۔ تو اس طرح یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اگر پہلی صورت موجود ہے تو دوسری کی موجودگی ضروری ہوگی گویا پہلی خصوصیت، دوسری کے لیے لازم اور اس کی انتہائی شدت کا مظہر ہے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ خیالات کی خود مختاری اصل بنیاد ہے اور اس کا عمل بھی زیادہ وسیع ہے جبکہ لاعلمی اس کی ایک خصوصیت یا نتیجہ ہے۔ بہتر ہوگا کہ انتشار شعور کی اصطلاح کو اسی بنیادی صفت سے متعلق رکھا جائے اور لاعلمی کو اس کی ایک ضمنی صفت قرار دیا جائے اس طرح ذہنی انتشار کی تعریف یوں ہوگی کہ سلسلہ تصورات کو انتشار زدہ اس وقت کہا جائے گا کہ جب شخصیت سے اس کا رابطہ ٹوٹ جائے اور اس کی راہ و رفتار پر بھی شخصیت کا قابو باقی نہ رہے۔

آئیے ہم اپنے مریضوں کا مطالعہ اس خیال کو پیش نظر رکھ کر کریں اور یہ جائزہ لیں کہ کیا نیند میں چلنے، غیر اختیاری لکھائی اور دوہری شخصیت کے علاوہ کوئی اور ایسی علامت بھی ہے جو تقسیم شعور کی تعریف میں آتی ہو۔ مثال کے طور پر خبط (obsession) کا وہ کیس دیکھیے جس میں ایک عورت کو بینک کے نوٹوں کے نمبر دیکھنے کی بیماری تھی۔ پوچھے جانے پر وہ کہتی کہ وہ ایسا کیوں کرتی ہے اسے خود نہیں معلوم، لیکن نوٹ دیکھتے ہی کوئی طاقت مجھے اس کا نمبر دیکھنے کے لیے مجبور کر دیتی ہے اور اپنی حماقت کا احساس ہونے کے باوجود اس پر قابو حاصل کرنا میرے بس میں نہیں رہتا۔ بینک نوٹ اس کے اندر خیالات کا ایک نظام پیدا کر دیتے تھے جس کو دبا سکنا اس کی شخصیت کے اختیار میں نہ رہتا تھا، اور خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرتی یہ خیالات اپنا مقصد پورا کر کے ہی دم لیتے۔ یعنی عورت بے بس ہو کر نمبر دیکھنے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ یہ مثال تقسیم شعور کی دیگر مثالوں سے ذرا مختلف ہے کیونکہ یہاں اس عورت کو عمل انتشار کا پورا علم ہے جب کہ بلا ارادہ لکھنے میں مریض کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہے مگر دونوں ہی صورتوں میں انتشار کی کارکردگی بالکل آزاد و خود مختار ہے۔

اس قسم کی خصوصیات کچھ دوسرے قسم کے خبطوں میں بھی مل جاتی ہیں مثلاً ہاتھ دھوتے رہنے (Washing Mania) کا خبط جس کا ہم نے کچھ مریضوں میں مشاہدہ کیا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان علامتوں سے مشابہ مظاہر اکثر نارمل انسانوں میں دیکھے جاتے ہیں مثلاً کانوں میں سنائی دینے والے گانے، یا کسی احمقانہ اور فضول خیال سے لاکھ پیچھا چھڑانے کی کوشش اور تاویلوں کے باوجود متواتر دماغ میں پیدا ہوتے رہنا۔ یا سڑک پر گزرتے وقت ہر بجلی کے کھمبے کو چھونے کی بے اختیار خواہش وغیرہ ان تمام مثالوں میں کسی نہ کسی شکل میں تقسیم شعور کا عمل موجود ہوتا ہے، جس کو شعوری خواہشات یا مقاصد سے کسی قسم کی مناسبت نہیں ہوتی ہے۔ اس انتشار سے شخصیت بے خبر تو نہیں ہوتی ہے لیکن اسے اپنی ذات سے باہر اور غیر متعلق چیز سمجھتی ہے اور یہ لوگ عام طور پر یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ "فلاں خیال خود بخود ذہن میں آجاتا ہے اور وہ ایسا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔"

یہ اور اس قسم کی مثالیں ہمیں تقسیم شعور کی ایک اور قسم کے بارے میں مدد پہنچاتی ہیں۔ گذشتہ باب میں وہمی مغالطہ کی (Hallucination) جو مثالیں دی گئی تھیں ان میں ایک مریض ایسا بھی تھا جس کو لگاتار ایسی آوازیں سنائی دیتی تھیں جو اس کے گناہوں کی پاداش میں جلد ہی اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکیاں دیتی رہتی تھیں مریض کے لیے ان کا وجود حقیقی اور جاندار تھا، جب کہ ہمارے لیے ان کی اصلیت وہم و تخیل کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ یہ آوازیں مریض کے شعور و دماغ کا ایک حصہ تو ضرور تھیں لیکن اس کی شخصیت کا عنصر نہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ خیالات کا یہ نظام شعور کے شکستہ ریزوں پر مشتمل تھا گویا شخصیت کا ایک حصہ جدا ہو کر ان آوازوں کی مدد سے شخصیت کے دوسرے حصے کے ساتھ اپنی موجودگی کا اعلان کرتا ہے۔ دماغی اسپتالوں میں اس قسم کے کیس عام طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس تقسیم شعور کے نظریہ کی مدد سے توہم یا دھوکہ (Delusions) کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس صورت میں کوئی غلط خیال مریض کے دماغ میں بیٹھ جاتا ہے اور لاکھ سمجھانے بجھانے اور اس کے خلاف قطعی منطقی دلیلیں پیش کرنے کا مریض پر کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مریض اس دھوکے میں پڑ جائے کہ وہ بادشاہ ہے، تو اس کی موجودہ حالت کا خواہ اس کو کتنا ہی احساس دلایا جائے اس پر کوئی اثر نہ ہوگا حالانکہ وہ خود بھی اپنی تمام مسٹری سے واقف ہوتا ہے اور اپنی اوقات جانتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اس کا ذہن دونوں حالتوں کا تضاد سمجھنے سے قاصر رہے گا اور وہ بڑی ہی مستقل مزاجی سے خود کو جارج سوم کا بیٹا کہے جائے گا، ایک ہی سانس میں ایک دوسری دنیا تخلیق کرنے کا دعویٰ بھی کریگا اور کسی معمولی سی چیز کے لیے عاجزی سے ہاتھ بھی پھیلا دے گا۔ پہلی نظر میں تضاد کے یہ تانے بانے ناقابل

توضیح اور ناقابل فہم نظر آئیں گے۔ لیکن یہ معمہ اس وقت حل ہو جائے گا جب ہم اس کا سبب شعور کے بکھرنے کو قرار دیں۔ خیالات کے دو متضاد دھارے ایک دوسرے کو خاطر میں لائے بغیر علاحدہ ستوں میں بڑھتے رہتے ہیں۔ مریض خود کو بادشاہ کہتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ ان حقائق سے بھی باخبر ہے جو اس خیال کو باطل قرار دیتے ہیں یہ دونوں خیال الگ الگ حصّوں میں ہیں اور بیک وقت دماغ میں موجود ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ان رکاوٹوں کو پار نہیں کر پاتے ہیں جو آپسی رابطہ میں حائل رہتی ہیں اور مریض ان تمام منطقی دلائل کو سمجھنے کے باوجود جو ہم پیش کرتے ہیں ان کا کوئی اثر قبول نہیں کر پاتا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان کی اہمیت کے احساس کا گزر اس زاویہ میں نہیں ہوتا جہاں مغالطہ قبضہ جمائے رہتا ہے۔ تمام دلائل اس کے ذہن پر سے اس طرح پھسل جاتے ہیں جیسے چکنے گھڑے پر سے پانی۔ اس قسم کے فرسودہ اور فضول مظاہر صرف دماغی اسپتالوں تک ہی محدود نہیں ہوتے ہیں بلکہ عام انسانوں کی نفسیاتی زندگی کا تقریباً لازمی جز ہیں۔ سیاسی نظریات کے سلسلے میں اس طرح کی باتوں سے بہت سابقہ پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے بچپن کے بہت سے مزعومات ہم سے وابستہ رہتے ہیں اور ہم تجرباتی حقائق کے باوجود بھی انھیں ترک نہیں کرتے ہیں۔ یہاں بھی انتشار یا تقسیم شعور کسی نہ کسی صورت و مقدار میں موجود ہوتا ہے۔

یہ کیفیت بعینہ، پاگل خانہ کی اس شہزادی کی طرح ہے جو اپنی اعلیٰ حیثیت کے، ورادنیٰ مشغولیت کے فرق سے بے خبر ہو کر بڑے سکون سے زمین کا فرش صاف کرتی ہے۔

باب پنجم

پیچیدگیاں

Complexes

تیسرے باب میں ہم نے ہمارا ذہن کے کچھ مظاہر بیان کیے ہیں چوتھے باب میں درجہ بندی کی مدد
سے ان میں ترتیب پیدا کی گئی جس کی وجہ سے موضوع سے متعلق حقائق کا وسیع تر مطالعہ ممکن ہوا مثلاً اس
بات کا علم ہوا کہ پاگل پن کی اکثر علامات کا سبب تقسیم شعور ہوتی ہے جس کی وجہ سے شعور کی رو میں تال میل
باقی نہیں رہتا لیکن یہ علامات کیوں ظاہر ہوتی ہیں ابھی تک اس کی کوئی تشریح نہیں کی گئی ہے مثلاً وہمی
مغالطہ کا مریض غیر معتدل شعوری انتشار کا شکار کیوں ہوتا ہے؟ اور وہ کچھ مخصوص نوعیت ہی کی آوازیں
کیوں سنتا ہے اس کی کوئی وضاحت ابھی نہیں کی گئی ہے۔

جن لوگوں نے دوسرے باب میں بیان کردہ عام اصول اچھی طرح سمجھ لیے ہوں گے ان پر یہ بات
نمایاں ہو گئی ہو گی کہ ہم نے سائنسی طریقہ پر عمل کرتے ہوئے دو مرحلے تو پورے کر لیے یعنی حقائق جمع کرنے
اور ان کی درجہ بندی کا کام تو کر لیا ہے لیکن ابھی تیسرا مرحلہ یعنی ان مفروضات کی وضاحت کے لیے اصول
مرتب کرنے کا کام باقی ہے۔

یہ تیسرا اور لازمی قدم بہت دشوار ہے۔ دماغی علاج کا علم ابھی نیا ہے اور اس میدان میں ابھی اتنا
کچھ دریافت کیا جانا باقی ہے کہ ہم اس سمت میں ابھی تھوڑی دور تک ہی جا سکتے ہیں اور ساتھ ہی یہاں بڑا
امکان اس بات کا موجود ہے کہ ہم اس سلسلے میں ایسی وادی میں قدم رکھ دیں کہ جس سے بحث کا موضوع
نزدم ہو سکے کیونکہ نئے علوم کی سرحدوں کا تعین ہمیشہ بحث طلب ہوا کرتا ہے۔
مضمون کو وضاحت کے ساتھ پیش کرنے کے لیے ہم ادعائی رویہ اپنانے پر مجبور ہیں لیکن پڑھنے والے

کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس باب میں اور آئندہ بھی پیش کیے جانے والے نتائج ابھی آزمائشی دور میں ہیں ان کو حرفِ آخر کہنا ٹھیک نہ ہوگا. یہ نتائج زیادہ تر ویانا کے پروفیسر فرائڈ اور زیورچ کے ڈاکٹر ینگ کی حالیہ تحقیقات کے ذریعہ حاصل ہوئے ہیں.

اس سے پہلے کہ ہم نفسیاتی امراض کے اسباب تلاش کریں ہمارے لیے اپنی اس تلاش کو حق بجانب قرار دینے کے لیے اس بات پر یقین کامل رکھنا ضروری ہے کہ ان اسباب کا واقعی وجود ہے اس یقین کی بنیاد نفسیاتی جبریت (Physical Determinism) پر ہے. مادی دنیا کی طرح یہاں بھی یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ ہر واقعہ کے پیچھے کوئی علت ضرور ہوتی ہے. اگر تمام ضروری عوامل موجود ہوں تو نتیجہ لازمی طور پر برآمد ہوگا. اور نتیجہ دیکھتے ہی ہم سمجھ لیں گے کہ کچھ مخصوص اسباب موجود تھے جن کے باہم ملنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے جس طرح علم طبیعیات میں 'اتفاق' کی کوئی گنجائش نہیں ہے. اسی طرح نفسیات میں بھی اس کا کوئی مقام نہیں ہے ذہن سے گزرنے والا ہر خیال، خواہ وہ کتنا ہی سرسری اور معمولی کیوں نہ ہو کسی نہ کسی پیش رو ذہنی عمل کا ممکنہ نتیجہ ہوتا ہے. اگر ہم سے ایک عدد کا خیال کرنے کو کہا جائے تو بظاہر اس میں ہم کو کوئی خاص دلچسپی نہ ہوگی کہ ہم کونسا نمبر چنتے ہیں لیکن درحقیقت ہم وہی مخصوص نمبر منتخب کریں گے جس کی اجازت ہماری اس لمحہ کی ذہنی حالت ہم کو دے گی. کیونکہ یہ عمل قطعی طور پر اس کے تابع ہوگا. اور صرف ایک مخصوص عدد ہی اس وقت ذہن میں داخل ہوسکتا ہے. کوئی دوسرا نہیں. چاہے یہ صورت حال کچھ عجیب سی معلوم ہو لیکن اس بدیہی امر کو نقطۂ آغاز (axiom) ماننا انتہائی ضروری ہے. کیوں کہ اس کے بغیر تو نفسیات کا وجود ہی ناممکن ہو جائے گا خواہ ہماری ذاتی رائے کچھ اور ہو لیکن اگر ہم سائنسی اور نفسیاتی طریقے سے غور کر رہے ہیں تو ہم کو علت کے اس اصول کو لازمی طور پر برتنا پڑے گا.

شعوری دھاروں کو متاثر اور رہبری کرنے والے اسباب کا پتہ لگانا نفسیات کا آخری مقصد ہے اور ہم یقیناً یہ امید رکھتے ہیں کہ حاصل شدہ اصول ..... غیر صحیح الدماغ اور مجنوں دونوں ہی کے لیے یکساں ہوں گے، بالکل اسی طرح جیسے عضویاتی اصول بیمار اور تندرست لوگوں کے لیے ایک ہی ہوتے ہیں. فرق صرف درجہ کا ہوتا ہے یا پھر متعلق اسباب کی باہمی ترکیب کا.

ان تعیناتی اسباب کی تلاش میں ہم کو کس سمت چلنا ہے اس کا علم کچھ سادہ مثالوں سے حاصل ہوسکتا ہے. فرض کیجیے کہ میں ایک فوٹوگرافر ہوں ظاہر ہے کہ میری اس دلچسپی کا اثر لگاتار میرے شعور پر پڑے گا۔ اکثر وہ مناظر جو عام حالات میں شاید قابل توجہ نہ ہوتے تصویر کے لیے اچھا مواد فراہم کرنے کی وجہ سے میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے ہیں. اگر میں کسی اخبار کا مطالعہ کر رہا ہوں تو فوٹوگرافی پر مضمون میرے لیے

دلچسپی کا باعث ہوگا اور جب میں دوستوں سے ملوں گا تو گفتگو کو گھما پھرا کر اپنے پسندیدہ موضوع کی طرف موڑنے کی کوشش کروں گا۔ اس طرح میرے خیالات اس پسندیدہ مشغلہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ پسندیدہ شغل دراصل مربوط خیالات کا ایک ایسا نظام ہوتا ہے جس کے ساتھ بڑی جذباتی وابستگی ہوتی ہے اور اس کے سبب سے کچھ مخصوص قسم کے افعال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ جذبات سے متاثر نظام خیالات کو اصطلاحی الفاظ میں کومپلکس (Complex) کہتے ہیں۔ پسندیدہ مشغلہ ایک طرح کا کومپلکس ہوتا ہے۔ اس مثال کے سلسلے میں مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ میرے شعوری دھارے کو متاثر کرنے والے اسباب میں سے فوٹوگرافی کا ایک توانا کومپلکس ہے۔

کومپلکس ہر طرح کے ہوسکتے ہیں ان کے عناصر ترکیبی میں پائے جانے والے تصورات بھی طرح طرح کے ہوتے ہیں ان سے وابستہ جذباتی لگاؤ، گہرا یا ہلکا ہوسکتا ہے خوش گوار بھی ہوسکتا ہے اور تکلیف دہ بھی۔

جب جذباتی وابستگی شدید قسم کی ہوتی ہے تو شعوری افعال اسی شدت سے متاثر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک نوگرفتار محبت نوجوان کو دیکھیے، اس کے یہاں محبت کا جو شدید کومپلکس پیدا ہوتا ہے، اس کے سبب سے شعور میں اسی سے متعلق خیالات متواتر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور معمولی سی ارتباطی تحریک پر تمام خیالات شعوری طور پر بیدار ہوجاتے ہیں۔ اس کی تمام دماغی قوت ایسے خیالات کے تانے بانے بننے میں صرف ہوتی ہے جس کا مرکز اس کی محبوبہ ہوتی ہے اس کا دماغ روزمرہ کے کاموں میں نہیں لگتا ہے اور یہ واقعہ کسی نہ کسی شکل میں اسی والہانہ کیفیت کے ساتھ جڑ جاتا ہے، اس کی نظر میں دنیا اس کے کومپلکس کے لیے ایک اسٹیج کے سوا اور کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

کومپلکس ایک ایسی علت یا طاقت ہے جو ہمارے شعوری برتاؤ کو متاثر کرتی ہے۔ نفسیات میں اس کا دخل طبیعات کے تصور 'قوت' کے مماثل ہے لیکن یہ ہر وقت حرکت میں نہیں رہتے ہیں اس کے لیے کومپلکس سے متعلق خیالات میں کسی تحریک کی موجودگی لازمی ہے یہ تحریک خارجی اور ذہنی دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر دوران گفتگو، فوٹوگرافی کا تذکرہ چھڑ جائے تو یہ اس کومپلکس کے لیے تحریک کا کام دے گا۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ذہنی طور پر غیر متعلق خیالات کا سلسلہ ہم کو فوٹوگرافی سے متعلق خیال تک پہنچا دے اس تحریک کے ملتے ہی کومپلکس شعور پر اثر انداز ہونا شروع کردے گا، اس کے نتیجہ میں شعور میں کومپلکس سے متعلق خیالات، جذبات، اور اعمال ذہنی کا سلسلہ نمودار ہوجائے گا اور متعلق شخص کومپلکس سے مطابق خیالات

ﻟﮯ کومپلکس نام سب سے پہلے ینگ نے استعمال کیا، انھیں معنوں میں اس کتاب میں بھی استعمال کیا گیا ہے بعد میں اس کا استعمال وہاں ہونے لگا جہاں خواہشات کے لیے ہوتے تھے ۔ (باب ہشتم) موجودہ باب میں یہ اصطلاح ..... اور W. Dougall کے جذبات کے معنوں میں کام میں لائی گئی ہے۔

کو مزید تقویت کے ساتھ قبول کرلے گا اور مطابقت نہ رکھنے والے خیالات یا تو خارج کردیے جائیں گے یا ان کا زور ٹوٹ جائے گا۔

کومپلکس کے زیر اثر نمودار ہونے والے خیالات کا طور طریقہ اس سے بہت مختلف ہے جو حقیقی منطقی استدلال کے استعمال کے بعد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کا ہر قدم ایک منطقی نتیجہ ہوتا ہے غیر جانب داری سے تمام شہادتوں کو پرکھا جاتا ہے اور جتنے حل ممکن ہوسکتے ہیں ان پر غیر جذباتی انداز سے غور کیا جاتا ہے عام زندگی میں اس طرح کا سوچ بچار نسبتاً کم ہی دیکھنے میں آتا ہے کیونکہ عموماً کومپلکس کی موجودگی نمایاں طور پر جانبداری برتنے پر مجبور کردیتی ہے۔ سائنس کی دنیا میں بھی جسے ناواقف غیر جذباتی اور غیر جانب دار سمجھتے ہیں کومپلکس کی وسیع کارگزاریاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ تعلیم یافتہ انجمنوں کے مباحثے اس سلسلے میں بہت سبق آموز واقفیت بہم پہنچاتے ہیں۔

جذبے سے متاثر خیالات میں اکثر ہم کو ایسے اسباب دیکھنے کو ملتے ہیں جو کسی نہ کسی حد تک ہمارے خیالات اور افعال کے رخ متعین کرتے ہیں اب ہمیں کچھ اور صفت کرنا چاہیے۔ اگر ہم فوٹوگرافر سے سوال کریں کہ آخر وہ کیوں ہمیشہ ایک خاص انداز ہی سے سوچتا اور عمل کرتا ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا "مجھے فوٹوگرافی سے دلچسپی ہے" یہاں مذکورہ شخص کو اپنے کومپلکس کا علم ہے اور اس کے اثرات سے وہ بے خبر نہیں ہے لیکن کومپلکس کے وجود و عمل کا ادراک ہمیشہ موجود نہیں رہتا ہے اکثر شعور پر پڑنے والے اثرات کی خبر انسان کو نہیں ہوتی ہے اور وہ ان اسباب سے قطعی واقف نہیں ہوتا ہے جو اس کے خیالات اور اعمال کو متاثر کرتے ہیں مثلاً اگر کسی سیاست داں کے سامنے کچھ نئی تجاویز رکھی جائیں تو ایسا دیکھنے میں آئے گا کہ اس سلسلے میں اس کی رائے ہمیشہ کچھ مخصوص خیالات و رجحانات کے ماتحت ظاہر ہوگی۔ اس کو جماعتی تعصب بھی کہا جاتا ہے ہم اس کو اپنی تازہ اصطلاح میں 'سیاسی کومپلکس' کا نام دیں گے اس کومپلکس کی وجہ سے وہ تجاویز کی طرف جو رویہ اختیار کرے گا اس میں ان کے واقعی اوصاف کا کوئی دخل نہیں ہوگا بلکہ اگر ایسے سیاست داں سے بحث کریں تو کومپلکس ایسے دلائل کو مزید تقویت پہنچائے گا جو اس کی پارٹی کے نظریات سے مطابقت رکھتے ہیں اور مخالفین کی جانب سے پیش کردہ دلائل خواہ وہ کتنے ہی اہم اور وزنی ہوں، اس کی نظر میں بے وقعت ہوں گے اور وہ ان کو بالکل نظر انداز کردے گا۔ سیاست داں تو یہی سمجھے گا کہ اس نے اپنی رائے 'مخالف اور موافق دلائل کو پوری طرح پرکھنے کے بعد قائم کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ خیال قطعی غلط ہے، واقعہ یہ ہے کہ سیاست داں پوشیدہ سازش سے قطعی لاعلم ہے جو اس کی رائے کو متاثر کرتی ہے' خود ذہن کے اس عمل کو جس میں خیالات کی اصل بنیاد پر پردہ ڈالنے کے لیے بہت سی سود مند تاویلیں گھڑی

جاتی ہیں' اس کو پرفریب توجیہ اور عقلیت (Rationalization) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس شے کی دونوں بنیادی باتوں یعنی خیالات اور افعال کا لاشعوری منبع، اور اس کے سلسلے میں پیش کی جانے والی پرفریب تاویلوں کو نفسیات میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی مثالیں روزمرہ کی زندگی میں برابر دیکھی جاسکتی ہیں۔ عام طور پر یہ کہا، اور یقین کیا جاتا ہے کہ انسان جو کچھ کرتا اور سوچتا ہے اس کے اسباب و وجوہ کا اس کو علم ہوتا ہے۔ یہ فقط خوش فہمی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم کو اس یقین دہانی کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں اور سوچتے ہیں وہ بہت معقول و مناسب ہوتا ہے ہم کو یہ باور کرنے میں بڑی کراہیت محسوس ہوتی ہے کہ ہم ان بواعث سے لاعلم ہوں جو ہمارے افعال و خیالات کے ذمہ دار ہیں، مزید یہ کہ عام طور پر ہمارے ذہنی افعال، جذباتی تعصب اور کومپلکس کے زیر اثر وجود میں آتے ہیں، اور چونکہ یہ صورت ہم کو قبول نہیں ہے اس لیے ہم فرضی منطق سے کام لیتے ہیں اور باور کرلیتے ہیں کہ یہ سب افعال بڑے فطری اور مناسب ہیں۔ سیاست داں کے توجیہات بھی یہی ساخت رکھتے ہیں، معتدل اور غیر معتدل نفسیات کے زمرے میں اس طرح کی مثالوں سے بہت سابقہ پڑتا ہے۔

توجیہ پسندی کی وجہ سے یہ غلط خیال پھیل گیا ہے کہ انسان اپنے خیال و عمل میں اپنی قوت مدرکہ کا منطقی بنیادوں پر خاطر خواہ استعمال کرتا ہے واقعہ یہ ہے کہ اکثر فکر و عمل کی بنیاد اس کومپلکس پر ہوتی ہے جو تجربہ اور جبلت سے بنتا ہے اور دلیل تو عقلیت پسندی کو مطمئن کرنے کے لیے بعد میں ایجاد کر کے لگادی جاتی ہے۔

اخلاقی چال چلن کے سلسلہ میں توجیہ پسندی (Rationalization) کا استعمال شاید سب سے زیادہ کیا جاتا ہے جہاں شعوری طور پر ہم اپنے افعال کی ذمہ داری کسی اخلاقی یا مذہبی اصول کے سر رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ عادات اور رسم و رواج کی پابندی ان کا اصل سبب ہوتی ہے اور ہم ان کو جبلی طور پر بلا کسی توقف کے انجام دیتے رہتے ہیں۔ اصول وضع کرنے کی ضرورت تو اس وقت درپیش ہوتی ہے جب ان حرکات کے خلاف آواز اٹھتی ہے اور جب افعال اور ان اصول کے درمیان مطابقت نظر نہیں آتی ہے تو ہم توجیہ پر توجیہ اس وقت تک کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ واقعی ایک دوسرے کے مطابق نہ ہوجائیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر بڑے ایماندار لوگ حکومت یا ریلوے کو بڑے سکون سے دھوکہ دیتے رہتے ہیں، اور اگر اس تضاد کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اپنے اصول و عمل کے درمیان ہم آہنگی ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی تاویلیں اور عذر تراش لیں گے، مثلاً کمپنی اور افراد ایک ہی چیز نہیں ہیں" یا اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا" یا ٹیکس اور کرایہ اتنا زیادہ ہے کہ اس سے بچنا ہی حق بجانب ہے۔ ذہنی عمل کے اصلی اور فرضی اسباب کی وضاحت اس صلاح سے ہوسکتی ہے جو ایک نئے جج کو دی گئی تھی آپ اپنا

فیصلہ دیجیے ممکن ہے وہ ٹھیک ہو مگر دلایل نہ پیش کیجیے وہ تقریباً یقیناً غلط ہوں گے۔

یہ بات تو اب صاف ظاہر ہوگئی ہے کہ کسی فعل کے اصل اسباب اور وجوہ جاننے کے لیے صرف یہ پوچھنا کافی نہ ہوگا کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا؟ دروں بینی خواہ کتنی ہی ایمانداری سے کیوں نہ کی جائے وہ سطحی اسباب بیان کرنے کے علاوہ اور زیادہ کامیابی حاصل نہیں کرسکتی ہے اور اگر زیادہ کوشش کی جائے تو پھر اس کی موافقت میں تاویلوں کا ایک سلسلہ نمودار ہو جائے گا۔ نارمل لوگوں سے واسطہ رکھنے والے ماہر نفسیات کے لیے بھی اس کی اہمیت ہے لیکن ان ماہرین کے لیے جن کا سابقہ خبطیوں سے رہتا ہے۔ یہ بات اور بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ کومپلکس کے عمل کا جائزہ لیتے وقت اس کی اہمیت اور بھی واضح ہوگی۔

تفتیش کے سلسلے میں اس دشواری پر قابو پانے کے لیے کچھ ایسے طریقے بھی وضع کیے گئے ہیں جن کی مدد سے شعوری اعمال کو متاثر کرنے والے کومپلکس اور اس کے اصل اسباب کو نمایاں کیا جاسکتا ہے۔ ان طریقوں کو ٹھیک طور پر برتنے کے لیے خاطر خواہ واقفیت اور تجربہ لازمی ہے۔

ان طریقوں کے استعمال، اور ان کی کارروائی کا تفصیلی جائزہ اس کتاب میں لینا ناممکن ہوگا۔ ہم صرف اتنا کرسکتے ہیں کہ ذرا دیر کے لیے اصل موضوع سے ہٹ کر تجرباتی نفسیات کے میدان میں قدم رکھیں اور ینگ کے پیش کردہ طریقہ کا مختصراً ذکر کردیں جس کو نفسیاتی تفتیش کے سلسلے میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ الفاظ کی ایک فہرست مریض کے سامنے ایک ایک کرکے پڑھی جاتی ہے اور اس کو ہر لفظ کے جواب میں ذہن میں آنے والا پہلا لفظ کہنا ہوتا ہے۔ پڑھا جانے والا لفظ مہیج (Stimulus) اور جواب میں ملنے والے الفاظ ردعمل کہے جاتے ہیں۔ اور اس دوران جو وقت، لگتا ہے اس کو ردعمل کا وقفہ کہتے ہیں۔ بالعموم جوابی الفاظ کسی نہ کسی عمل ارتباط کی وجہ سے تحریکی الفاظ سے مربوط ہوتے ہیں۔ مثلاً میز کے جواب میں غالباً لفظی ردعمل 'کرسی' ملے گا۔ درمیانی وقفہ کی بڑی اہمیت ہے اور اس کو بڑی احتیاط سے اسٹاپ واچ سے جانچ لیا جاتا ہے۔

ینگ کو یہ معلوم ہوا کہ ردعمل مختلف ہوسکتے ہیں اور اس اختلاف کا انحصار اس بات پر ہے کہ کوئی مخصوص لفظ کسی کومپلکس کے لیے مہیج کا کام دیتا ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ردعمل کا وقفہ بڑھ جاتا ہے اور اکثر جواب بھی بڑے عجیب وغریب ملتے ہیں۔ یونگ اور پیٹرسن کی نیچے دی گئی ایک مثال سے یہ نکتے زیادہ واضح ہو جائیں گے۔

	مہیج	ردعمل	ردعمل کا وقفہ	
(۱)	سر	بال	1.6	سکنڈ
(۲)	سبزا	مرغزار	1.6	

	ہیج	ردعمل	ردعمل کا وقفہ	
(3)	پانی	گہرا	5.0	سکنڈ
(4)	چھڑی	چاقو	1.6	"
(5)	لمبی	میز	1.2	"
(6)	جہاز	ڈوبنا	3.4	
(7)	پونڈ	جواب	1.6	"
(8)	اون	بننا	1.6	"
(9)	نفرت زدہ	درست	1.4	"
(10)	جھیل	پانی	4.0	"
(11)	بیمار	اچھا	1.8	"
(12)	روشنائی	کالی	1.2	"
(13)	تیرنا	تیر سکتا ہے	3.8	"

یہ جواب ایک ایسے مریض کے ہیں جس پر حال ہی میں افسردگی کا دورہ پڑا تھا اور اس درمیان اس نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ ڈوب کر اپنی جان دے گا. جوابات 3.6.10.13 میں اس کومپلکس کا اظہار موجود ہے 3.6.10 نمبر کے جوابات میں ردعمل کا وقفہ بڑھا ہوا ہے. آخری جواب میں لفظی ردعمل بذات خود عجیب ہے۔ ینگ کے مطابق اس طریقہ سے مریض کے ذہن میں موجود اصل کومپلکس کا پتہ لگایا جاسکتا ہے. اس طریقہ کو مزید ترقی اور وسعت دی جاچکی ہے. اس کی مدد سے ابتدائی تحقیق میں بڑی مدد ملتی ہے. ساتھ ہی آئندہ تفصیلی تحقیقات کے لیے کونسا رخ اختیار کیا جائے اس کا تعین کرنا آسان ہوجاتا ہے (۱)

آئیے اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹ چلیں یعنی یہ دیکھیں کہ خیالات و افعال پر کومپلکس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں. فوٹو گرافر اور سیاست داں کی مثال میں کومپلکس کا براہ راست اظہار ہوتا ہے اول الذکر فوٹو گرافی کے سیاق میں سوچتا ہے اور آخر الذکر سیاسی سیاق میں. لیکن یہ اظہار اکثر بالواسطہ بھی ہوتا ہے، پہلی نظر میں یہ مظاہر بالکل ہی مختلف نظر آسکتے ہیں اور ان کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا

---

(۱) عمل ارتباط کے ذریعہ مریض کی نفسیاتی تحلیل کی افادیت بعد میں توقعات پر پوری نہیں اتری تجرباتی تفتیش میں تو یہ دلچسپی کا سامان مہیا کرتی ہے مگر عملی علاج میں شاذونادر ہی اس کا استعمال ہوتا ہے.

ہے۔ ایک مثال دیکھیے۔ میرا ایک مریض جو کبھی اسکول ٹیچر تھا پکا لامذہب ہو گیا وہ اس بات پر بڑی شد و مد سے زور دیتا تھا کہ اس نظریہ تک وہ بہت کچھ پڑھنے اور معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی پہنچا ہے حقیقتاً اس نے نظریہ تحقیق سے شہادتیں فراہم کر کے بڑی مہارت و ترتیب سے اپنے مدعا کا ثبوت فراہم کیا تھا۔ بعد میں نفسیاتی تجزیہ کی مدد سے اس اصل کومپلیکس کا پتہ چل سکا جو اس کی لامذہبیت کا ذمہ دار تھا ہوا دراصل یہ تھا کہ اس کی منگیتر اس کے ایک جوشیلے ساتھی کے ساتھ جو خود بھی اسی اسکول میں ٹیچر تھا فرار ہو گئی تھی۔ اپنے کامیاب دوست پر اس کے غصے نے ایک نئی راہ نکال لی اور مذہب جس نے دونوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا تھا۔ اس پر سارا غصہ نکلا اور وہ مذہب ہی سے متنفر ہو گیا اور دلائل مطالعے اور اقتباسات وغیرہ کا استعمال تو محض توجیہ Rationalization کی بناء پر تھا۔

کومپلیکس کے بالواسطہ اظہار کی ایک صورت اسی مریض میں اور بھی دیکھنے میں آئی۔ اس کو اپنے والد سے بڑی عقیدت اور لگاؤ تھا۔ لیکن کچھ عرصے سے دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے اور باپ کسی قسم کی صلح صفائی پر آمادہ نہیں تھا جس کی وجہ سے بیٹا بہت پریشان تھا۔ ایک روز وہ بہت افسردہ اور پریشان آیا اور کہنے لگا کہ آج دو غیر ملکی لوگوں کی بڑی بے عزتی کی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت بے حد مکدر ہو گئی ہے چوں کہ میں اس کی ذہنی کیفیت سے بخوبی آگاہ تھا اس لیے اس کی موجودہ ذہنی حالت کا سبب صرف اتنی معمولی سی بات کو نہ مان کر میں نے چھان بین کی اور اس طرح معلوم یہ ہوا کہ سویرے اس کو باپ کا ایک خط موصول ہوا تھا جس میں حسب معمول اس کو بہت برا بھلا کہا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی افسردگی اور پریشانی خود اپنی ذات کی وجہ سے تھی۔ غیر ملکیوں کو تو صرف بہانے یا توجیہہ کے طور پر استعمال کر رہا تھا۔

کومپلیکس کے بالواسطہ اظہار کی ایک سادہ اور مانوس مثال۔ ینگ نے اس حسب ذیل واقعے سے فراہم کی ہے۔

ایک شخص نے اپنے دوست کے ساتھ دیہات کے ایک علاقے سے گزرتے ہوئے اچانک چرچ کی بجتی ہوئی گھنٹی کی برائیاں کرنا شروع کر دیں۔ اس کی آواز خراب ہے۔ اس میں تال میل نہیں ہے، اور ان کا مجموعی اثر بہت ناخوش گوار ہے۔ دوست حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ اس چرچ کی گھنٹی اپنی انھیں خوبیوں کے لیے بہت مشہور تھی۔ اس نے دوست کے اس رویہ کی اصل وجہ جاننے کے لیے بڑی ہوشیاری سے سوالات کرنا شروع کیے تو مذکورہ شخص نے بتایا کہ گھنٹیاں تو ناقابل برداشت ہیں ہی اس چرچ کا پادری بھی بہت بے کار قسم کی شاعری کرتا ہے۔ اس گفتگو کے بعد کومپلیکس خاصا نمایاں ہونے لگا۔ واقعہ دراصل

یہ تھا کہ یہ شخص خود بھی شاعر تھا، اور ایک حالیہ تنقید میں اس کی شاعری کا ناموافق مقابلہ اس پادری کی شاعری سے کیا گیا تھا۔ اس رقابت کے کومپلکس نے بالواسطہ بے قصور گھنٹیوں پر بعض طعن کی صورت اختیار کر لی، حالانکہ اس کی براہ راست صورت تو یہ ہوتی کہ یہ آدمی پادری کو برا بھلا کہتا۔

اس مثال کے ذریعہ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ اگر اس کے رویہ کی اصل وجہ معلوم نہ ہو جاتی تو اس صورت حال کو ناقابل توضیح سمجھ کر ٹال دیا جاتا۔ یا پھر اس کو بد دماغی یا جھلاہٹ وغیرہ کے سر منڈھا جاتا۔ ایسے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں جہاں بالکل ہی معمولی سی بات سمجھ کر اچانک انسان جذباتی ہو اٹھتا ہے اگر ان کی مناسب چھان بین کی جائے تو اصل سبب کچھ اور ہی نکلے گا اور یہ ظاہر ناقابل فہم رد عمل کا سلسلہ کسی نہ کسی خاص واقعہ سے جڑا ہوا ملے گا۔

اب تک جو بیان کیا جا چکا ہے اس کو مختصراً اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ معتدل ذہن کے افعال لاعلمی میں جزوی طور پر مختلف قسم کے کمپلکس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، دوسرے یہ کہ، اثرات بالواسطہ بھی ہو سکتے ہیں یعنی ظاہر ہونے والے شعوری افعال، بادی النظر میں، اپنے پیدا کرنے والے حقیقی اسباب سے بہت کم مناسبت رکھتے ہوں، تیسرے یہ کہ انسان اپنے افعال و خیالات کی جو توجیہ کرتا ہے، عام طور پر ان میں اصلیت نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ سب توجیہات (Rationalization) بعد کی کارفرمائی ہوتے ہیں۔

انسان کے سلسلہ خیالات و افعال کے موثر اسباب مختلف طریقوں سے خود اس کی اپنی ذات، اور دیکھنے والوں سے پوشیدہ رہ جاتے ہیں۔ اصل اسباب سطح پر نہیں ہوتے بلکہ تہ نشین ہوتے ہیں جنھیں صرف نفسیاتی تجربہ کے ذریعہ سے ہی منکشف کیا جا سکتا ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اسی قسم کے نظام کے تحت دیوانگی میں بھی ایسی علامتیں ظاہر ہوتی ہوں جو کہ دراصل کسی کومپلکس کا بالواسطہ یا مسخ شدہ شکل میں اظہار ہوتی ہوں ابتدا میں ناقابل فہم علامات اصل سبب معلوم ہونے کے بعد نہ صرف سمجھ میں آنے لگتی ہیں بلکہ تدارک پذیر بھی ہو جاتی ہیں۔ مالیخولیا کے مریض کا معمولی معمولی باتوں پر حد سے زیادہ پریشان اور بے چین ہو جانا انتہائی احمقانہ اور نامناسب معلوم ہوتا ہے لیکن اصل وجہ معلوم ہونے کے بعد صورت حال بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ ہم چرچ کی مثال میں ابھی دیکھ چکے ہیں۔ اسی طرح وہمی لوگوں کے وہم کا اصل سبب اگر معلوم ہو سکے تو وہ اتنے احمقانہ اور بے بنیاد نہ معلوم ہوں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اصل وجہ زیادہ مناسب اور مربوط ہو جب کہ توجیہ (Rationalization) سے اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں جو وجوہات مریض پیش کرتا ہو وہ زیادہ احمقانہ نظر آتے ہوں۔

یہ مفروضہ فکر انگیز و ہمت افزا ہے کہ پاگل انسان کا ذہن بادی النظر میں جس انتشار اور بدنظمی کا شکار

دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو ان اصل اسباب کا علم نہیں ہوتا ہے جو منتشر علامتوں کو اکٹھا کرکے ایک مربوط شکل میں پیش کر دیتے ہیں۔ اگلے ابواب میں یہ ظاہر ہو جائے گا کہ حالیہ نفسیاتی تحقیقات نے اس مفروضہ کو مناسب قرار دیتے ہوئے بڑی حد تک اس کی تصدیق بھی کی ہے اس کی اچھی طرح وضاحت ہوگی کہ پاگلوں کے خیال و عمل بے معنی و بے شیرازہ نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان میں بھی معتدل انسانوں کی طرح علت و معلول کا سلسلہ برسرِ عمل رہتا ہے۔ ہم کو ایسے ثبوت مل جائیں گے جن کی مدد سے یقین کیا جاسکے گا کہ جس طرح نفسیاتی اصولوں کے ذریعہ پاگلوں کے ذہنی افعال کا پتہ لگایا جاتا ہے اسی طرح عام آدمی کے افعال کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا جا سکے گا کہ پاگل پن کا مریض بھی ان ہی پریشانیوں کے خلاف جدوجہد کرتا رہتا ہے جن سے ہم سب کو سابقہ پڑتا ہے اور انھیں خیالات خواہشات اور حوصلہ کا اظہار کرتا ہے جن سے ہم سب مانوس ہیں۔

باب ۶ ششم

کشمکش ــــ تصادم

Conflict

گزشتہ باب میں ہم نے کچھ ایسے نفسیاتی قوانین بیان کیے ہیں جو کہ پاگلوں اور صحت مند ذہنوں میں مستقلاً سرگرم دیکھے جا سکتے ہیں جن مظاہر میں ان کا اظہار ہوتا ہے ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اب تک جو کچھ کہا گیا ہے وہ کسی معنی میں بھی حرف آخر نہیں کہا جا سکتا ہے۔ بہت سے دوسرے مسائل سر اٹھانے لگتے ہیں۔ مثلاً انسان کبھی افعال و خیالات کو متاثر کرنے والے کومپلکس کی موجودگی سے واقف ہوتا ہے اور کبھی نہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کومپلکس کا ردعمل کبھی سادہ فوری اور براہ راست ہوتا ہے اور کبھی بالواسطہ ایسا کیوں ہے؟ میرا مریض اپنے والد کا خط پاکر دو غیر ملکیوں کے لیے بےچین ہوتا ہے جب کہ اس کو خود اپنے لیے پریشان اور بےچین ہونا چاہیے تھا؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے ہم کو کشمکش Conflict اور دبایا جانا (Repression) جیسے نفسیاتی تصورات کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ ان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ان کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے۔

فرض کیجیے کہ کومپلکس ذہن کے مجموعی آہنگ سے تال میل نہ رکھتا ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ داخلی طور پر بہت تکلیف دہ ہو، یا پھر وہ ایسے افعال کو بڑھاوا دیتا ہو، جو مریض کے خیالات اور اصول کے منافی ہوں۔ اس صورت میں کومپلکس اور (۱) شخصیت کے درمیان ٹکراؤ پیدا ہوگا، دونوں قوتیں ایک دوسرے پر روک اور بندش لگانے کی کوشش کریں گی اس طرح ذہن دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا جس کے

---

(۱) شخصیت: یہاں اس میں وہ تمام افکار شامل کیے گئے ہیں۔ مثلاً خیالات، جذبات، یادداشت، خواہشات جن کا تعلق زیر بحث مہم

نتیجہ میں تمام افعال مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ نیچر اور اس کی محبوبہ کی مثال ہم یہاں دہرا سکتے ہیں۔ آئیے ہم یہ فرض کر لیں کہ اب اس کی محبوبہ کسی دوسرے شخص کی بیوی ہے۔ عاشق کا ذہن اب کشمکش کا شکار ہو کر دو مختلف سمتوں میں کام کرے گا۔ دوسری طرف اخلاقی قدریں اور نتائج کا خوف۔ اس صورت میں دونوں ہی کو مناسب طریقے سے اپنے اظہار کا موقع نہ ملے گا اور ذہنی کشمکش پیدا ہوگی۔ اس کشمکش کی خاص صفت ناخوش گوار جذباتی تناؤ ہوگا۔ انسان عجب مخمصہ میں پڑ جاتا ہے کہ آخر وہ کون سی راہ اختیار کرے جب کہ دونوں ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ کشمکش اپنے جذباتی کھچاؤ، پس وپیش اور افعال کے مفلوج ہونے کی خصوصیات کے ساتھ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی ہے۔ یہ تو ایک حیاتیاتی ضرورت ہے کہ ہر مشکل کا کوئی حل اور ہر دشواری اور ناکامی سے نکلنے کا کوئی راستہ تلاش کیا جائے۔ یہ حل مختلف طریقوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کومپلکس کی اس طرح ترمیم کی جائے کہ وہ شخصیت کے منافی نہ رہ جائے۔ یا پھر ذہن خوب دیکھ بھال کے خود ہی یہ طے کرے کہ چونکہ دونوں باتیں ایک ساتھ حاصل نہیں کی جا سکتی ہیں اس لیے کسی ایک کو دوسرے پر قربان کرنا ہی پڑے گا۔

شخصیت کے اندر متحارب قوتوں کا موضوع ادراک اور پھر سوچ سمجھ کر راہ نجات نکالنا کومپلکس کا بہترین اور منطقی حل ہے، بلکہ یوں کہیے کہ صرف یہی ایک واقعی حل ممکن بھی ہے۔ کچھ اور طریقے بھی ہیں جن کا ہم ذکر کریں گے ان میں دماغ کسی فیصلہ کن لڑائی کے بجائے جذباتی تناؤ یا جمود کی نوبت آنے سے پہلے ہی اس کشمکش کا حل تلاش کر لیتا ہے اور وہ اس طرح کہ ذہن دونوں دشمنوں کو مدمقابل آنے ہی نہیں دیتا ہے اور اس طرح وہ ذہنی تصادم سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

اس قسم کا پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ دماغ میں مختلف خیالات کی موجودگی کے باوجود ان کے باہمی تصادم کو بڑی محنت سے روکا جائے اور ان کے درمیان کسی قسم کا تعلق قائم نہ ہونے دیا جائے۔ دونوں کو اس کی اجازت ہو کہ وہ ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق رہ کر اپنی اپنی راہ چلتے رہیں۔ ذہن کی اس کیفیت کا مقابلہ ہم آرکسٹرا بجانے والے اس گروپ سے کر سکتے ہیں جس کا ایک آدمی اصل تال وسر سے بے تعلق ہو کر اپنی مرضی کی بالکل ہی مختلف دھن بجانے لگے۔ یہ صورت تقسیم شعور سے ملتی جلتی ہے جس میں ذہن الگ الگ حصوں میں بٹ جاتا ہے اور اس کی مدد سے اپنی زندگی میں اچھے چال چلن اور اخلاق کا پابند شخص اپنی کاروباری زندگی میں بالکل ہی مختلف قسم کا رویہ اختیار کر لیتا ہے اور ایسا کرنا اس لیے ممکن ہو پاتا ہے کیونکہ ذاتی زندگی

بقیہ ۵۸ کومپلکس سے نہیں ہوتا ہے۔

وراس کے اقوال، کاروباری زندگی اور اس کے افعال سے ذہنی طور پر بالکل الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں۔ اسی کی وجہ سے کہنے اور کرنے میں تضاد سمجھ میں آجاتا ہے۔ بلکہ انسانی نسل کے اس بڑے طبقہ کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے جسے اکثر بے جا طور پر ریاکار کہا جاتا ہے اسی نظام کے تحت ہم عاشق کی اس کمزوری کا ذکر کر سکتے ہیں جس کی بنا پر وہ اپنی محبوبہ کی نمایاں خامیاں بھی نہیں دیکھ سکتا ہے، کیونکہ وہ ان کو دیکھنا نہیں چاہتا ہے اور چونکہ ذہن میں دوسرے برعکس خیالات، اس کے جذبہ اور رائے کی مزاحمت کی وجہ سے آنے نہیں پاتے ہیں اس لیے اس کی رائے متاثر نہیں ہوتی ہے۔

اسی طرح ہم اپنے بچپن کے روایتی اعتقادات کو محفوظ رکھتے ہیں خواہ بعد کے حالات اور حقائق سے ان کی نفی ہوتی ہو، پھر بھی کسی قسم کا ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اعتقادات اور حقائق ہمارے ذہن میں الگ الگ منطق بستہ خانوں میں رکھے جاتے ہیں اور ان کو شعور میں ایک دوسرے کے مقابل نہیں آنے دیا جاتا ہے۔

عام زندگی میں مخالف ذہنی عناصر کا یہ سیدھا سادہ اخراج بہت عام ہے اگر پڑھنے والا خود ایمانداری سے اپنے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کرے تو ایسی کتنی ہی مثالیں اس کو اپنے ہی اندر مل جائیں گی۔ اگر اس کو یہ کام دشوار معلوم ہو تو بہرحال اپنے پاس پڑوس کے لوگوں کا مطالعہ تو وہ کر ہی سکتا ہے۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ مخبوط الحواس لوگوں میں یہ اصول کہاں تک کام کرتا ہے جہاں تک ہم کو علم ہے اس کا اثر بہت زیادہ ہے اور اس کی مدد سے بہتیرے حقائق جن کو پاگلوں کی عجیب وغریب خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے، زیادہ قابل فہم بنائے جا سکتے ہیں مثلاً وہ لڑکی جو خود کو کہتی تو شہزادی ہے لیکن زمین کا فرش بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ صاف کرتی ہے۔ یہاں بھی دونوں باتوں میں کشمکش شعور کے میدان میں دونوں کو داخل ہونے سے روک کر برطرف کی گئی ہے۔ یا پھر وہ شخص جو اپنی پوری تاریخ سے واقف ہونے کے باوجود اپنے کو جارج سوئم کا بیٹا کہتا ہے۔ وہ شخص اپنے کو قادر مطلق تصور کرتا ہے مگر معمولی معمولی چیزوں کے لیے دوسروں کے سامنے بے جھجک ہاتھ پھیلا دیتا ہے یہ سب ہی مثالیں رہی منطق بستہ خانوں میں تقسیم کی مثالیں ہیں ان میں متضاد تصورات بیک وقت ذہن میں موجود ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود ٹکراؤ اس لیے پیدا نہیں ہوتا ہے کہ دونوں کو دماغ کے الگ الگ خانوں میں محصور کر دیا گیا ہے اور ایک کو دوسرے سے یا برعکس حقائق سے رابطہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

انہیں مثالوں کا ذکر ہم نے باب چہارم میں تقسیم شعور کے سلسلے میں کیا تھا اب ہم نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اس نظام کا پتہ لگایا ہے جس پر تقسیم شعور کا انحصار ہوتا ہے۔ ذہن اپنی وحدت کھو چکا ہے اور وہ تقریباً

آزاد نفسی افعال میں بٹ جاتا ہے، جن کی راہیں جداگانہ ہوتی ہیں، اور ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق ہونے کی وجہ سے ٹکراؤ کی صورت بھی پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اب ان واقعات کی روشنی میں ہم کم از کم یہ اصول تو بنا ہی سکتے ہیں کہ جب ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے تو تقسیم شعور کا عمل واقع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ذہن اس ٹکراؤ کے لازمی اثرات سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس مفروضہ کے وجود میں آتے ہی اس کا امکان پیدا ہوتا ہے کہ چوتھے باب میں بیان کردہ مختلف نوعیت کے واقعات یعنی "دوہری شخصیت" نیند میں چلنا، وہم، مغالطہ وغیرہ سب اسی نظام کے تحت وجود میں آتے ہوں گے۔ انتشار کسی ذہنی کشمکش کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور اس کی اہمیت ایک ایسے دفاعی ردعمل کی ہے جسے دماغ اس وقت بر سر کار لاتا ہے کہ جب دو متضاد تصورات سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ زیادہ تر شہادتیں اس بات کے حق میں ہیں کہ شعور کی تقسیم کے زیادہ تر واقعات اس نظام کے تحت لائے جا سکتے ہیں اور ان کی وضاحت اسی مفروضہ سے کی جا سکتی ہے مگر اب ہم کو ایک قدم پیچھے جا کر اس اصول میں کچھ تبدیلی کرنا پڑے گی یہ بات بار بار کہی جا سکتی ہے کہ ذہنی ٹکراؤ سے بچنے کے لیے مخالف خیالات کا شعوری طور پر آمنا سامنا نہیں ہونے دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا ہے بلکہ اکثر یہ صورت حال خاصی پیچیدہ ہو جاتی ہے کیونکہ خیالات کے مختلف اور مخالف دھاروں کو ایسی کامیابی کے ساتھ آپس میں ملنے سے نہیں روکا جا سکتا ہے کہ جس سے ذہنی کشمکش کا بالکل سدباب ہو سکے تو اس صورت میں متحارب خیالات کی صورت اتنی مسخ و پوشیدہ کر دی جاتی ہے کہ ان کی اصل شکل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور ذہن ان کے تضاد کو پہچاننے سے قاصر رہ جاتا ہے۔ بچاؤ کی اس ترکیب کو (Rationalization) توجیہ عقل کہتے ہیں جس کا تفصیلی ذکر پہلے ہی کیا جا چکا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے چند مخصوص مثالوں پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا اس کی ایک مثال تو وہ انسان ہے جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑی ایمانداری دکھاتا ہے لیکن کاروباری زندگی میں مختلف نظر آتا ہے اور اپنی سب بے ایمانیوں کو طرح طرح کی تاویلیں کر کے حق بجانب قرار دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ نجی ضابطہ اخلاق تجارت پر عاید نہیں ہوتا ہے، گاہک کو مہنگی قیمت بتانا کوئی چوری تو ہے نہیں، انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے، بال بچوں کی خبرگیری کے لیے جھوٹ بولنا غیر اخلاقی بات نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی ہمارا عمل ہمارے ضابطۂ اخلاق سے ٹکراتا ہے تو ہم فوراً ایسے کشادہ دلائل کی جستجو شروع کر دیتے ہیں جو مخصوص حالات کی وجہ سے ہمارے عمل کو حق بجانب ثابت کر دیں۔

پانچویں باب میں ہم نے اس ایماندار شخص کی مثال دی ہے جو گورنمنٹ اور ریلوے کو فریب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا ہے ظاہر ہے کہ دونوں مثالوں میں مختلف خیالات و افعال کے درمیان تضاد کو اس توجیہ کے ذریعہ پاٹا گیا ہے جس نے دونوں کی شکل ہی مسخ کر دی اور اس طرح کشمکش پیدا ہونے ہی نہیں دی

دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ذہن منطق بستہ خانوں میں تقسیم ہوا تھا مگر خیال بستہ خانوں میں ایک سینی خیالات کی آمد پر پابندی نہیں تھی لیکن ان کی اصل صورت میں داخلے کی اجازت نہیں تھی۔

توجیہہ و تاویل کی یہی صورت حال غیر متوازن ذہنوں میں دیکھنے میں آتی ہے وہاں بھی اصل حقائق کی شکل اس وقت تک بگڑتی رہتی ہے جب تک وہ اس کے 'فریب خیال' سے ہم آہنگ ہو کر ایک مناسب منطقی عذر کی صورت نہ اختیار کرلیں۔ وہ خبطی یا پاگل جو اس فریب یا غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اس کی بیوی اس کی جان لینا چاہتی ہے، ہر بات اور ہر واقعہ کو غلط معنے پہنائے گا۔ اگر بیوی زیادہ خیال کرے گی تو سمجھے گا کہ در پردہ یہ زہر دینے کی کوشش ہے۔ اگر وہ دیکھ بھال چھوڑ دے تو کہے گا کہ کمزور اور بیمار ڈال کر مارنا چاہتی ہے۔ اگر اس کو قائل کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ تمام دلائل سننے کے بعد سمجھانے والے کی کم عقلی پر حقارت سے مسکرا دے گا، یا پھر وہ اس شک میں مبتلا ہو جائے گا کہ سمجھانے والا بھی پیسہ لے کر اس کی بیوی کے ساتھ جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ وہ تمام حقائق کی تاویل کرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ مسخ ہو کر اس کے فریب خیال سے ہم آہنگ ہو جائیں۔

عمل کی یہ ساخت دیوانگی میں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے اس کو قانونی فریب کہا جاتا ہے، اس میں غلط قسم کا ڈھونگ ذہن اس لیے رچاتا ہے کہ ابتدائی غلط فہمی اور اصل حقائق کے درمیانی فرق کو ختم کیا جاسکے۔ مثلاً وہ مریض جو اپنے کو لکھ پتی سمجھتا ہے وہ اس حقیقت سے بھی واقف ہے کہ اس کی جیب میں ایک پائی بھی نہیں ہے اب اس کو اس خیال یا اعتقاد کی ضرورت پڑے گی کہ ایسا اس لیے ہوا ہے کہ اس کو منظم سازش کے ذریعہ اپنی جائداد سے محروم کر دیا گیا ہے اس قسم کے غلط خیالات کے ساتھ عام طور پر اس کو یہ وہم بھی ستاتا ہے کہ ساری دنیا اس کی مخالف، اور در پے آزار ہے۔ یہ بات مریض سے پوشیدہ نہیں رہتی ہے کہ سماج اس کی اصلی حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا ہے اس کی تاویل وہ یوں کرتا ہے کہ یہ ساری کارستانی اس کے بدخواہ اور حاسد دشمن کی ہے۔ واہمہ کی اور بھی پیچیدہ تر صورتیں ہو سکتی ہیں اور اس کے باطل خیالات کی نفی کرنے والے جتنے زیادہ حقائق سامنے آتے جاتے ہیں اتنا ہی مریض کا یقین شدت اختیار کرتا جاتا ہے کہ تقریباً ساری دنیا اس کے خلاف سازشوں میں شریک ہو گئی ہے۔

باب ہفتم

دباؤ

Repression

گزشتہ باب میں ہم نے کشمکش کے عمومی سوال اور اس سے بچنے کے ایک ایسے طریقے سے بحث کی ہے جس میں باہم دگر مخالف خیالات ذہن کے الگ الگ منطق بستہ حصوں میں بند کر دیے جاتے ہیں یہ طریقہ نہ صرف روزمرہ کی زندگی کے اکثر و بیشتر مظاہر میں دکھائی دیتا ہے بلکہ اس کا اظہار پاگل پن میں بھی ہوتا ہے تصادم سے بچنے کا یہ سادہ طریقہ اکثر دسترس میں نہیں ہوتا ہے اس صورت میں ذہن کشمکش کے بوجھ سے بچنے کے لیے دیگر ذرائع تلاش کرتا ہے ان طریقوں کی اکثریت (Repression) خیالات کے دبائے جانے پر مشتمل ہے۔ آیئے اس نظریہ کا جائزہ لیں اور ان مظاہر پر غور کریں جس کی اس کے ذریعہ سے تشریح ہو سکتی ہے۔ ابھی ان حالات کا نجتہ علم نہیں ہے کہ جہاں منطق بستہ خانوں کی ترکیب کارآمد نہیں ہوتی ہے اس ضمن میں اسباب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

(۱) اکثر کومپلکس بہت اہم اور طاقت ور ہوتے ہیں جس کے باعث ان کی باہمی کشمکش ذہن سے اس سیدھے سادے عمل کے ذریعہ پوشیدہ نہیں رکھی جا سکتی ہے (۲) یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ذہن زیادہ حساس ہو اور تنقید ذات کی خلقی صفت رکھتا ہو جس کی وجہ سے اس کو اس عمل کی خامیوں کا علم ہو جائے اور اس کو اس طرح کے ترجیہات نامکمل اور نامناسب معلوم ہوں، ایسی صورت میں ذہن یا تو اس کشمکش کا آخر تک مقابلہ کرے گا، جیسا کہ یہاں کیا جا چکا ہے یا پھر ٹکراؤ سے بچنے کے لیے کوئی اور طریقہ کام میں لائے گا جو زیادہ مکمل ہو۔ ایسے طریقے دباؤ (Repression) کے ماتحت بیان کیے جاتے ہیں۔

ذہن میں متضاد کمپلکسوں کو مقفل بستہ مختلف حصوں میں بند کر کے رکھنے کے طریقہ میں مخالف کومپلکس کو بھی بہرحال شعور میں ایک مقام حاصل ہوتا ہے جب کہ (Repression) میں ٹکراؤ سے بچنے کے لیے مقابل خیالات میں سے ایک شعور سے نکال باہر کر دیا جاتا ہے اور اس کو معمول کے مطابق اپنے اظہار کی اجازت نہیں ہوتی ہے اس طرح دوسرے مقابل کو میدان خالی مل جاتا ہے۔ ایک مثال کے ذریعہ اس کو زیادہ اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کیجیے کسی شخص سے ماضی میں کچھ ایسی حرکات سرزد ہوئی ہیں جن پر اس کو تاسف ہے اور جب بھی اس کا خیال آجاتا ہے اس کو بڑی تکلیف اور پچھتاوا ہوتا ہے۔ یعنی اصطلاح میں تکلیف دہ یادداشت نے ایک کومپلکس (ذہنی الجھن) کی شکل اختیار کر لی ہے اور چونکہ اس کو مجموعی شخصیت سے مناسبت حاصل نہیں ہے اس لیے کومپلکس اور شخصیت میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اب مذکورہ شخص اس کشمکش سے فرار حاصل کرنے کے لیے ان خیالات کو دبانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ ان کی موجودگی کو دانستہ طور پر نظر انداز کرتا ہے تاکہ ان کو شعور سے خارج کیا جا سکے۔ اس صورت حال سے ہم سب ہی واقف ہیں، بہت سے ایسے واقعات وغیرہ جن کے بارے میں سرسری طور پر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم بھول گئے۔ باقاعدہ دبا دیے جاتے ہیں لیکن زیر پردہ ان کی کیفیت کچھ اور ہی ہوتی ہے ان خیالات کو شعور سے خارج کرنے اور ان کو فراموش کرنے کا کام انتہائی محنت سے کیا جاتا ہے۔ خیالات کو کچلنے اور دبانے کا عمل اگر کامیابی سے انجام پا جاتا ہے تو کومپلکس کو ذہن سے الگ کر دیا جاتا ہے اور اس کا تعلق شخصیت سے نہیں رہ جاتا ہے اور نہ ہی معمول کے مطابق اس سلسلے کے خیالات جذبات اور افعال براہ راست شعور میں داخل ہو سکتے ہیں اگرچہ اس صورت میں کومپلکس کو شعور میں ظاہر ہونے کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اور وہ کسی قسم کی سرگرمی سے قاصر رہتا ہے لیکن اس کا وجود ختم نہیں ہوتا ہے یا مقید ہو جاتا ہے فنا نہیں ہوتا وہ پھر بھی ذہن کی گہرائیوں میں جگہ حاصل کر لیتا ہے چاہے مختلف قوتوں کی مزاحمت کی وجہ سے اس کو ابھرنے کا موقع نہ ملے۔

اب یہ تو ظاہر ہی ہو گیا ہو گا کہ خیالات کا کچلا جانا، ٹکراؤ سے نپٹنے کا مقفل بستہ خانوں کی بہ نسبت کمتر طریقہ ہے۔ ساتھ ہی اس کا پریشان کن اثر ذہن کی یکسانیت اور وحدت پر نسبتاً بہت زیادہ پڑتا ہے۔ یوں تو خیالات کے دبانے کا یہ عمل بہت عام ہے لیکن اس کا نمایاں اظہار پاگلوں ہی کے یہاں دیکھنے میں آتا ہے۔ آئیے اپنی پرانی مثالوں میں اس عمل کی کارفرمائی دیکھیں۔ آئرین کا واقعہ ہی لیجیے۔ اس میں لڑکی کی پریشانی اس کی ماں کی بیماری، اور موت کے واقعہ سے شروع ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعہ سے متعلق ہر بات اس کے لیے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کا صدمہ بہت شدید تھا، کیونکہ اس کی خواہشات، خیالات اور جذبات کا مرکز اس کی ماں ہی تھی۔ اس کی موت کے بعد یہ سب خیالات اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔

ان واقعات اور خیالات سے مل کر ایک کومپلکس پیدا ہوا جو مجموعی شخصیت سے نہایت بے آہنگ تھا۔ اس کے سبب کشمکش کی صورت پیدا ہوئی جس کی جذباتی شدت اس کی شخصیت کے لیے انتہائی اذیت ناک تھی۔ اس سے بچنے کے لیے دباؤ (Repression) کا سہارا لیا گیا جس نے اس تکلیف دہ کومپلکس کو ذہن سے اکھاڑ پھینکا اور اس کے براہ راست اظہار پر پابندی عاید کر دی۔ اس کا اثر آئرین پر یہ پڑا کہ خواب خرامی، دوروں کے درمیانی وقفہ میں اس کو یہ تمام واقعات بالکل یاد نہیں آتے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان واقعات کو بالکل فراموش کر بیٹھی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے کوئی غیر معمولی واقعہ پیش ہی نہ آیا ہو۔ اس طرح ریپرشن اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ کیونکہ تکلیف دہ یادداشتوں کو شعور سے خارج کر کے کشمکش یا ذہنی تصادم سے نکلنے کی صورت پیدا کی گئی۔

اس امر کا ذکر ہم پہلے بھی کر آئے ہیں کہ دبائے جانے کے عمل کے باوجود کومپلکس کا وجود ذہن کی گہرائیوں میں رہتا ہے مکمل بیخ کنی اور استیصال کی نوبت نہیں آتی۔ اس کی سچائی اس امر سے ثابت ہوتی ہے کہ جن خیالات کو آئرین نے بڑی کامیابی سے دبایا تھا وہ کبھی کبھی اچانک بندشوں کو توڑ کر پورے شعور پر قبضہ جمانے میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ خواب خرامی کی حالت میں آئرین تمام گزرے ہوئے واقعات دہرانے لگتی۔ اور اسی سابقہ المناک کیفیت میں محصور ہو جاتی تھی۔

لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس مثال میں دبائے جانے کا عمل خواب خرامی کی حالت میں بھی ناکامیاب ہے وہ کومپلکس جو کچل دیا گیا تھا اب پورے اسٹیج پر قابض ہے اور دوسرے خیالات وقتی طور پر اس وقت خارج کر دیئے گئے ہیں۔ آئرین اس دورہ کے دوران اپنے گرد و پیش کے ماحول سے قطعی بے خبر اپنی خیالی دنیا میں کھو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تقسیم شعور اب بھی موجود ہے۔ مقابل خیالات کا رشتہ شعور سے منقطع کر دیا گیا ہے اس لیے دبے ہوئے کومپلکس کو اپنی باری میں براہ راست اظہار کا موقع حاصل ہو جاتا ہے۔

دباؤ کے اس نظریہ کی مدد سے ہم چوتھے باب میں بیان کردہ تقسیم شعور کے ایک علیحدہ گروپ کی بھی نشاندہی کر سکتے ہیں۔ نیند کی حالت میں چلنے کی بیماری میں چونکہ کومپلکس دبا ہوا ہوتا ہے اور باقی ماندہ ذہین حصہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہ جاتا ہے، اسی لیے اس کا اظہار صرف انہی خیالات اور تمثیلات کی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جو باقی ماندہ شعوری دھارے سے منقطع ہو گئے ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کومپلکس کے زیر اثر بقیہ حصہ شعور سے الگ تھلگ خیالات کا ایک گروپ بن جاتا ہے۔

یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ نیند میں چلنے، اور دوسری شخصیت کے درمیان بڑی مماثلت پائی جاتی ہے فرق صرف درجہ کا ہے۔ دونوں ہی میں تصورات کے مخصوص نظام کا رابطہ ذہن کے بقیہ حصہ سے ٹوٹ جاتا ہے مگر دوسری شخصیت میں شعوری تقسیم زیادہ پیچیدہ اور مکمل ہوتی ہے۔ اس حالت میں انسان کیا

اپنے کو ماحول کے مطابق ڈھال لینے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ وہ اصل حالات سے اس حد تک بے خبر نہیں ہوجاتا ہے جیسا کہ نیند میں چلنے کی حالت میں دیکھنے میں آتا ہے۔

لیکن دونوں میں مشابہت کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو وضاحت نیند میں چلنے کی بیماری کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے وہ دوہری شخصیت کے لیے بھی قابل قبول ہوگی۔ یہاں بھی تقسیم شعور کا سبب ناقابل مفاہمت کومپلکس کا وہ تصادم ہے جو دبا دیا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وضاحت کو بڑی کامیابی سے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہاں جگہ کی کمی کی وجہ سے زیادہ تفصیل بیان ناممکن ہے۔

تقسیم شعور کی وہ نوعیت جس کا اظہار خواب خرامی وغیرہ جیسے مظاہر میں ہوتا ہے خیالات کے کھلنے اور دبائے جانے کے نظام کا مطالعہ کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ دباؤ کے عمل کا اظہار کچھ دوسری نسبتاً غیر شدید اور غیر واضح صورتوں میں بھی ہوتا ہے جسے روزمرہ کی زندگی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اگلے باب میں اظہار کی ان ہی دوسری صورتوں کا ذکر کیا جائے گا۔

باب ہشتم

دبائے ہوئے کومپلکس کے مظاہر

گزشتہ باب میں اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ دبائے جانے کے بعد کومپلکس اپنے اظہار کے عام طریقے سے محروم ہو جاتا ہے یعنی اس کے خیالات اور جذبات شعور سیدھا داخلہ نہیں حاصل کر سکتے ہیں اور نہ وہ شعوری دھارے کو اپنی مرضی کے مطابق اپنی خواہشات اور مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں. کیونکہ اس کو اس راہ میں بہت سی رکاوٹوں یا اصطلاح کے اعتبار سے احتساب (censor) کا سامنا کرنا پڑتا ہے. نیچے دیے ہوئے وضاحتی خاکوں کی مدد سے سمجھنے میں آسانی ہوگی
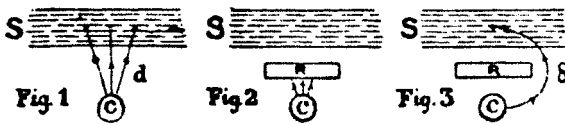
پہلا خاکہ کومپلکس کے معتدل عمل کو ظاہر کرتا ہے. S شعوری دھارا ہے، یعنی جذبات خیالات اور ارادہ وغیرہ کا ایک تواتر جو سطح پر موجود رہتا ہے گویا اس سے مراد وہ ذہن ہے کہ جو معمول کے مطابق مشاہدہ میں نظر آتا ہے. C کومپلکس کی نشاندہی کرتا ہے اور D ان مختلف خیالات کو ظاہر کرتا ہے جن کو کومپلکس

مناسب بیج نتے ہی شعور میں داخل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ پانچویں باب میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

دوسرے خاکہ میں کومپلکس کو دبائے جانے کے عمل کے بعد دکھایا گیا ہے R کا مطلب (Repression) ہے یعنی کومپلکس جن خیالات پر مشتمل ہے ان کو معمول کے مطابق جیسا کہ پہلے نمبر کے خاکے میں ہے۔ براہ راست شعور میں داخلہ نہیں ملتا ہے۔ دوسرا خاکہ آئرین کی اس ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کرتا ہے جو دوروں کے درمیانی وقفہ میں ہوتی تھی۔ اس کیس میں C کا مطلب وہ کومپلکس ہے جس کا تعلق ماں کی علالت اور موت سے ہے جو کہ بندشوں (R) کی وجہ سے تمام متعلقہ خیالات شعوری دھارے سے خارج کر دیے گئے تھے اس لیے یادداشت مقامی طور پر ختم ہو گئی اور اس نے کسی خاص واقعہ کو بالکل فراموش کر دیا جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں آئرین کو دورہ کی درمیانی حالت کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں رہتا تھا۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے دبائے جانے کے باوجود کومپلکس کا وجود سرے سے ختم نہیں ہوتا ہے وہ اظہار کے ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہے اگرچہ اظہار براہ راست اور معمول کے مطابق نہیں ہوتا۔ آئرین کے کیس میں کومپلکس نیند میں چلنے کی بیماری کی صورت اختیار کرتا ہے لیکن زیادہ تر کوئی بہت موثر طریقہ دریافت نہیں ہوتا بلکہ اس کی نوعیت ایسی ہوتی ہے جیسی کہ خاکہ نمبر ۳ میں S کے ذریعہ ظاہر کی گئی ہے یعنی بالواسطہ اور پیچ دار مظہر کی تاکہ اسے دباؤ (Repression) کی زد سے بچ نکلنے کی جدوجہد میں آسانی ہو۔ دباؤ کا عمل جتنا شدید ہوگا اور مزاحمت جتنی شدید ہوگی اظہار کا طریقہ کار بھی اتنا ہی پیچیدہ ہوگا۔

تیسرے نقشہ کی وضاحت ڈاکٹر ینگ کی اس مثال سے ہو جائے گی جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ جس میں ایک شخص کو چرچ کی گھنٹیاں سن کر بے حد غصہ آجاتا ہے اور وہ اس میں طرح طرح کی خرابیاں نکالنے لگتا ہے، چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ اس چرچ کا پادری اور مذکورہ شخص شاعری کرتے تھے جس میں اول الذکر کو اس کے مقابلہ میں بہتر مانا گیا تھا اور یہی جلن "حسد" کومپلکس کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ لیکن اس کو ذہن مزاحمت کی وجہ سے ابھرنے کا کوئی موقع نہیں دیتا ہے۔ اس لیے کومپلکس کو دوسرا راستہ تلاش کرنا پڑتا ہے پادری کے بجائے سارا غصہ گھنٹیوں پر اتر گیا، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح وہ شخص اپنے شعور کی لعن طعن سے بچ گیا۔ اور غصہ کا اصل سبب مسخ شدہ صورت میں ظاہر ہو گیا، اس طرح خیالات کو دبائے جانے کا مقصد پورا ہو گیا۔ یعنی شعور اس کومپلکس کے براہ راست اظہار اور شرمندگی سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور کسی تصادم کی نوبت نہیں آئی۔

یہی تشریح اس شخص کے کیس کی بھی کی جا سکتی ہے جہاں مریض کو دوغیر ملکیوں کے ساتھ کیے جانے والے برتاؤ سے بڑی پریشانی اور تکلیف ہوئی۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کومپلکس کا اصل سبب خود اس کے

ساتھ اس کے باپ کا برتاؤ تھا جسے باپ کے احترام میں دبا دیا تھا ورنہ ذہنی تصادم پیدا ہو جاتا لیکن اس جذبے کے اظہار کے لیے ایک ایسے غیر متعلق واقعہ کو منتخب کیا گیا جو اصلی سبب سے محض سطحی مماثلت رکھتا تھا جو تھے باپ کی دوسری مثالوں کی تشریح بھی اسی عنوان سے کی جا سکتی ہے۔

گزشتہ باب میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا کہ کومپلکس کبھی براہ راست اور بڑے سادہ انداز میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کبھی اظہار کا بالواسطہ طریقہ اپناتے ہیں آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب اب ہم دے سکتے ہیں یعنی جو کومپلکس دبائے نہیں جاتے ہیں وہ براہ راست ظاہر ہوتے ہیں لیکن دبائے جانے کے بعد مختلف رکاوٹوں اور بندشوں (احتساب) کی وجہ سے ان کا اظہار بالواسطہ ہوتا ہے جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ذہن میں مختلف قسم کے خیالات صف آرائی میں مصروف ہیں لہٰذا مذکورہ کومپلکس کو کسی نہ کسی حد تک کچلا اور دبایا گیا ہے اسی لیے اس کا اظہار براہ راست نہیں ہو پا رہا ہے۔

دباؤ کا نظام دماغ کے لیے ذہنی کشمکش سے بچ کر نکلنے کی عمومی پناہ گاہ ہے اس کے ذریعہ روزمرہ نظر آنے والے مظاہر کی تشریح کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی علامتوں کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو دیوانگی کے دائرہ میں آتی ہیں اس لیے اس نظام کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

خاکوں کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہو گا کہ دبائے گئے کومپلکس کی وجہ سے جو مظاہر سامنے آتے ہیں وہ دو طرح کے ہوتے ہیں یعنی براہ راست ظاہر ہونے والے اور بالواسطہ ظاہر ہونے والے ایک مثال کے ذریعہ نہ صرف مظاہر کا فرق سمجھ میں آجائے گا بلکہ ان کی ذیلی تقسیم بھی جسے ہم قائم کرنا چاہتے ہیں اکثر خاص عمر کی غیر شادی شدہ عورتوں کے اندر جنسی کومپلکس مع اپنی تمام جبلتوں کے پیدا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ اس قسم کی خواہشات کو ناکامی سے محرومی کی وجہ سے کچل دیا گیا ہے اس لیے ان کا براہ راست اظہار ممکن نہیں ہے مگر اس کا بالواسطہ اظہار ہوتا رہتا ہے یہ کومپلکس یا تو حد سے بڑھی ہوئی بناوٹی پارسائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس سے حقیقی مگر قابل اعتراض صورت حال کو شعور سے چھپا لیا جاتا ہے یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عورتیں شادی، بیاہ، پیدائش اور بدنامی کی افواہوں میں مریضانہ دلچسپی لینے لگیں۔

وہ مظاہر جو بالواسطہ ظاہر ہوتے ہیں اور وہ جن پر سنسر لگایا جاتا ہے عام طور پر ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے ہیں کسی کیس میں ایک کو اہمیت حاصل ہوتی ہے تو کسی میں دوسرے کو۔ دونوں اقسام کا الگ الگ ذکر زیادہ مناسب رہے گا۔ دوسری قسم کا پہلے ذکر کرنا زیادہ سودمند رہے گا۔

وہ خاص خصوصیات جو سنسر کی علامتوں سے منسوب کی جاتی ہیں ان میں پہلی خوبی تو یہ ہے کہ وہ مزاحمت کے عمل کو تقویت پہنچاتی ہیں اور ساتھ ہی قابل اعتراض کمپلکس کو دبانے میں مدد دیتی ہیں۔ مذکورہ خاکوں

ی مدد سے ہم ان علامتوں کو کومپلیکس کو 'دبائے جانے' کے عمل میں R وزن پیدا کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کسی بھی کومپلیکس پر شعور میں داخل ہونے کے سلسلے میں قدغن بھی عاید کرتے ہیں، زیادہ تر کیسوں میں ان کی صورت اوپر دی گئی اس عورت کی مثال سے مشابہ ہوتی ہے جو اپنی بناوٹی پارسائی کا بڑی شدت سے اظہار کرتی ہے۔ ان حالات میں ذہن کی سطحی تہوں میں اصل کومپلیکس کے بالکل مخالف خصوصیات انتہائی مبالغہ آمیز انداز میں پیش کیے جاتے ہیں۔ اس کی ایک جانی پہچانی صورت ان لوگوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جو اپنی فطری ہچکچاہٹ اور سماجی شرمیلے پن کو چھپانے کے لیے اپنے انتہائی ملنسار ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اسی نظام کو دیوانگی کی ہذیانی (Delirium) صورتوں کا، جن کا ذکر تیسرے باب میں کیا گیا ہے، ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایک کیس جس کا تذکرہ ڈاکٹر ڈیوائن (Dr. Devine) نے کیا ہے اس میں مریضہ کینسر کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہے۔ شروع میں وہ بیحد افسردہ اور مرض کی شدت کی وجہ سے بڑی بےچین رہتی تھی اس کے علاوہ اس کو اپنے بچوں اور شوہر کی فکر بھی لاحق رہتی، طرح طرح کے پریشان کن خیالات اس کو گھیرے رہتے۔ رفتہ رفتہ اس کی یہ کیفیت ہذیان و ہیجان میں بدلنے لگی اور بڑھتے بڑھتے دیوانگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو پاگل خانہ منتقل کرنا پڑا۔ یہاں وہ بیحد خوش، بڑی چاق وچوبند نظر آنے لگی، برابر گانے اور چہکنے میں مصروف دکھائی دینے لگی اس پر عجب طرح کی بےخودی و سرشاری طاری تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اب وہ بالکل صحت مند ہے، مرض ختم ہو چکا ہے۔ اس کیس کی نفسیاتی وضاحت بالکل صاف ہے۔ مریضہ پر انتہائی ناامیدی و مایوسی کی کیفیت طاری تھی، دوسری طرف خود اس کی عزیز خواہشات تھیں ان دونوں کے درمیان انتہائی تکلیف دہ کشمکش شروع میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ بعد میں ان کیفیات کو دبا دیا جاتا ہے یعنی تمام اصل حقائق ذہن سے خارج کر دیے گئے ہیں۔ در شعور میں ان کے داخلہ پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ ساتھ ہی ذہن میں پیدا ہونے والے دیوانہ وار جوش و مسرت کی حالت سے دباؤ کے عمل کو تقویت بہم پہنچائی گئی، یہی سب چیزیں مل کر دیوانگی کی صورت اختیار کر لیتی ہیں یہی صورت اکثر دق وغیرہ کے ایسے مریضوں کے یہاں دیکھی جا سکتی ہے جن کا مرض آخری درجہ پر پہنچ جاتا ہے مگر وہ حیرت انگیز خوشی و خرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

سنسر کی یہی صورت ہم کو ایسے موقعوں پر دیکھنے کو ملتی ہے جہاں انسان اپنے اندرونی رنج و پریشانی کی پردہ پوشی ظاہری ظرافت و بذلہ سنجی سے کرتا ہے۔ یہ تو ایک بہت عام سی بات ہے کہ اکثر بہت دلچسپ اور مزاحیہ گفتگو کرنے والا شخص بھی بہت سے غم ایسے چھپائے رہتا ہے، جو کبھی کبھی چھلک ہی جاتے ہیں۔ لیکن اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ خوش مذاقی انسان کی سب سے بڑی پناہ گاہ ہے اور جو شخص جس کا

ہونے کے ساتھ اس خصوصیت سے عاری ہو اس کو مصائب کا سامنا کرنے میں زیادہ تکلیف اٹھانا پڑتی ہے
خوش مزاجی کی وجہ سے بہت سے تکلیف دہ تجربات کو محض مذاق قرار دے کر ان کی اصل اہمیت کم کی جا سکتی
ہے اور اس طرح اذیت ناک کشمکش سے بڑی حد تک چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جنون کی نفسیات میں اس
اصول کی توضیح سب سے بہتر شکل میں عادی شرابیوں کی ظرافت میں دکھائی دیتی ہے۔ بدمست شرابی کی
خوش مزاجی تو مثالی ہوتی ہی ہے۔ یہ خوش مزاجی بناوٹی یا محض دکھاوے کی ہوتی ہے جس کا ایک سبب
یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی بات کو سنجیدگی سے نہیں انگیز کر سکتا۔ یہاں تک کہ زندگی کے انتہائی سنجیدہ واقعات
کی بھی اہمیت سمجھنے کا اہل نہیں رہ جاتا ہے اور ان کو بھی مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اپنی غربت، بدکاری، زندگی
کی بدحالی اور ناکامی، بیوی بچوں کی پریشانی غرض کہ یہ تمام پریشان کن حالات مل کر بھی اس کی حد سے
بڑھے ہوئے اطمینان و سکون کو درہم برہم کرنے سے قاصر رہتے ہیں، اور اس طرح وہ سطحی طور پر دماغی سکون
حاصل کر کے اس پچھتاوے اور پشیمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو کشمکش کا انتہائی تکلیف دہ روپ ہوتا ہے،

شعور میں متضاد اوصاف کے مبالغہ آمیز نشو و نما کے ذریعہ سے کسی موذی کومپلکس کا دبایا جانا، تسلط وہم
کے بعض اقسام کو بھی سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص جو اپنے بچپن میں چھوٹی موٹی چوریوں کا عادی تھا
بعد میں بے حد ایماندار ہو جاتا ہے وہ اپنا بہت سا وقت چھوٹے چھوٹے کرایوں کی ادائیگی یا معمولی سی قرض
کی رقم ادا کرنے کی فکر میں صرف کرتا ہے۔ حد سے بڑھی ہوئی اس راست بازی کی اصل وجہ ہم کو اسی نظام کے
تحت جس پر ہم غور کر رہے ہیں مل جائے گی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ اس شخص کو بچپن کی غلط کاریوں پر شرمندگی
ہے اور اس سلسلے کی یادیں کومپلکس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں جو بعد میں اس کے بالغ ذہن کے لیے ناقابل برداشت
ہو جاتی ہیں وہ ان کو ذہن سے خارج کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی یادوں کی موجودگی پر پردہ ڈالنے کے
لیے متضاد خصوصیات یعنی ایمانداری کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتا ہے۔ تیسرے باب میں ہم پہلے بھی کہہ آئے
ہیں کہ کسی عنصر کو غیر معمولی اہمیت دیا جانا، اس کی تکرار کا موجب بن جاتا ہے یہی چیز خبط یا تسلط وہم (obsession)
کی اہم شناخت ہے۔ کبھی کبھی اس فعل کی تکرار ایک مستقل صورت اختیار کر لیتی ہے اور بے حد نمایاں ہو جاتی ہے
جس کی وجہ سے مذکورہ شخص کا ذہنی توازن قائم نہیں رہ پاتا ہے۔ اس کی ایک عام مثال لگاتار ہاتھ دھوتے رہنے
کا خبط ہے۔ اس میں انسان سارا دن ہاتھ دھوتا رہتا ہے اور اس عادت پر اس کو بالکل قابو نہیں رہ جاتا
ہے وہ بالکل بے بس ہو کر بار بار اس کی تکرار کرتا رہتا ہے اس کو گندگی اور بیماری کا ڈر خوف زدہ کیے
رہتا ہے یہی صورت ان لوگوں میں دیکھی جاتی ہے جن کے اندر کوئی قابل اعتراض غیر اخلاقی عادت موجود
ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ شخص مستقلاً ذہنی کرب و تاسف میں مبتلا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں اس

کی شخصیت کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ اس گندگی کو دھو کر صاف کر دے ۔ اس لیے وہ خود کو مبالغہ آمیز حد تک صاف باطن اور صفائی پسند ظاہر کرنے لگتا ہے۔

سنسر کی جو مثالیں اب تک دی گئی ہیں ان میں اصل کومپلکس کا مقابلہ مخالف خصوصیات کے غیر معمولی نشو و نما کے ذریعہ ہی کیا گیا ہے مگر یہ کوئی لازمی شرط نہیں ہے ۔ اگر کوئی دوسری صفت دبانے کے کام کو بخوبی انجام دے سکتی ہے تو وہی نمودار ہو جائے گی اکثر کلبیت کا سہارا لیا جاتا ہے ۔ یعنی انسان باور کر لیتا ہے کہ کومپلکس اور اس سے نبرد آزما قوتوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ سب فضول باتیں ہیں ناقابل حل کشمکش سے نپٹنے کے یہ عام طریقے ہیں شراب، گانجا، بھنگ افیون وغیرہ پینے والوں کی بناوٹی مسرت و خوشی کا بھی اصل مقصد یہی ہوتا ہے ، کشمکش سے پیچھا چھڑانے کے لیے اس کو نشہ میں غرق کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ شراب نوشی کے مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ان حالات اور اصل وجوہات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے خواہ اس کو بیماری قرار دیا جائے ، خواہ بدکاری اور گناہ سمجھا جائے ۔ ہر حال میں شراب کی بڑھی ہوئی لت ، کسی نفسیاتی ضرورت ہی کا جواب ہوتی ہے ۔ انسان اپنی اصل خواہشات اور واقعی حالت کے درمیان پیدا ہونے والے افسوسناک تصادم کے اثرات سے بچنے کے لیے شراب جیسی شر انگیز مگر مصلح چیزوں کا سہارا لیتا ہے ۔ اور اس طرح وقتی طور پر ہی سہی وہ حقائق کے جیل خانے سے نکل کر جنت کی سیر کر لیتا ہے[1]

موذی کومپلکس کو دبانے کی شعوری کوشش کا اظہار کبھی عمل یا مشغلہ میں بحرانی کیفیت اختیار کرنے میں بھی نظر آتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس حرکت کے پیچھے مقصد یہی ہوتا ہے کہ شعور کو بیک وقت دیگر خیالات سے اس طرح پر کیے رہو کہ کومپلکس کو اظہار کا کوئی موقع ہی نہ مل سکے ۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی بہت مایوس و نامراد شخص کسی کھیل یا دوسرے مشاغل میں دلچسپی لے کر اپنے دماغ کو ان پریشانیوں سے نجات دینے یا دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔

اس کی ایک معمولی سی مثال روزمرہ کی زندگی میں اکثر دیکھنے میں آتی ہے ۔ جب دوران گفتگو بالکل بے خبری میں کوئی ایسا موضوع چھڑ جاتا ہے جو بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی ایک شخص کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے ۔ ایسی صورت میں وہ شخص اپنا اضطراب و پریشانی چھپانے کے لیے دوسرے موضوعات پر تیزی سے بولنا شروع کر دیتا ہے اس طرح وہ گفتگو کا رخ زبردستی بدلنے کی کوشش کرتا ہے ۔ خبطی لوگوں میں اس صورت حال میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہاں اگر مریض کے کومپلکس جس کو

---

(1) Trotter "Instinct of the Herd in Peace and War" London. 19..

دبانے کی کوشش وہ کر رہا ہے" کا تذکرہ شروع ہو جائے تو مریض اکثر بات ہی اڑا دیتا ہے کوئی معقول جواب ہی نہیں دیتا ہے بلکہ الٹی سیدھی بات کہہ دیتا ہے۔ اس طرح ساری گفتگو انتہائی مضحکہ خیز، بے معنی اور بے ربط ہو جاتی ہے۔

ایسے ہی ایک مریض نے جس کی زندگی میں "گرین" نام کی ایک عورت کا بڑا اہم حصہ رہا تھا، اس سوال کے جواب میں کہ "کیا وہ کسی مس گرین سے واقف ہے"؟ جو جواب دیا وہ آپ بھی سنیئے "گرین؟ کیا چیز سبز ہے۔ وہ تو نیلی ہے؟ "کیا آپ کہیئے گا کہ پانی نیلا ہے" اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مریض کسی سوال میں شامل جملوں اور الفاظ کے الگ الگ ٹکڑے کر دیتا ہے اور پھر ان کے درمیان بے معنی رشتہ پیدا کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ کسی بھی سوال کا مکمل اور سیدھا جواب دینے سے بچ جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مریض معمول کے مطابق گفتگو کر رہا ہوتا ہے لیکن جیسے ہی کوئی ایسا سوال سامنے آ جاتا ہے جس کا تعلق کسی کومپلکس سے ہوتا ہے تو اس کی گفتگو کا رنگ ایک دم بدل جاتا ہے اور وہی بے ربطی پیدا ہو جاتی ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ اس کا مطلب بالکل صاف ہے یعنی دباؤ کا عمل برقرار رکھا جاتا ہے اور کسی بھی ہیج کا اثر نہیں ہونے دیا جاتا ہے۔ یعنی شعور میں ان خیالات کو داخلے کی اجازت ہی نہیں مل پاتی ہے۔

خاموشی کی علامت جو بظاہر زیادہ بولنے کے بالکل برعکس ہے، وہی مقصد حل کرتی ہے جو زود گوئی سے حل ہوتی ہے۔ اس میں مریض قطعی خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور سوالات کا کسی قسم کا کوئی جواب نہیں دیتا ہے کبھی کبھی یہ صورت بڑی وسعت اختیار کر لیتی ہے اور مریض مہینوں ایک حرف بھی منہ سے نہیں نکالتا ہے۔

اب ہم اس طرح کے مظاہر کی دوسری قسم کی طرف رجوع کریں جہاں دبایا ہوا کومپلکس بالواسطہ اپنے کو ظاہر کرتا ہے۔ اوپر بہت سی مثالیں کومپلکس اور اس کے بالواسطہ اظہار کی دی جا چکی ہیں۔ آیئے اب ہم ایک ایسے گروپ کی طرف دھیان دیں جہاں یہ نظام بہت نمایاں طور پر کارفرما نظر آتا ہے اور جہاں اظہار کے طریقے قطعی غیر معتدل ہوتے ہیں۔

کچھ ایسے اضطراری افعال کا جن میں خبط (OBSESSION) کی شدت پائی جاتی ہے ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔ مثلاً اس عورت کا کیس دیکھیے جو ہاتھ آنے والے ہر نوٹ کا نمبر دیکھنے کے لیے بے قابو ہو جاتی تھی اپنے اس فعل پر قابو پانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتی تھی؟ اس سوال کا جواب اس کی گزشتہ زندگی کے ایک واقعہ کو جان لینے کے بعد بالکل صاف ہو جاتا ہے جس کا علم نفسیاتی تجزیہ کی مدد سے لگایا جا سکا واقعہ دراصل یوں تھا کہ اس عورت کی ملاقات کسی ہوٹل میں ایک شخص سے ہوئی تھی جس سے یہ عشق کرنے لگی تھی، ایک روز اس عورت نے اس شخص سے ایک نوٹ بھنانے کو کہا۔ اس نے بھنا دیا اور اس عورت کا

نوٹ اپنی جیب میں رکھتے وقت یہ کہا کہ وہ اس کو کبھی جدا نہیں کرے گا۔ اس جملہ سے عورت کو یہ امید پیدا ہوئی کہ وہ شخص بھی اس کے لیے وہی جذبات رکھتا ہے جو یہ خود اس کے لیے محسوس کرتی ہے اس کو یہ جاننے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنا وعدہ نبھاتا ہے یا نہیں ؟ نوٹ دیکھ کر اس کو پورا واقعہ یاد آجاتا۔ لیکن بات کچھ اور آگے نہیں بڑھی اور وہ مرد وہاں سے رخصت ہوگیا۔ اس وقت اس عورت کو اپنی غلط فہمی کا احساس ہوا ساتھ ہی ناکامی کا بھی منہ دیکھنا پڑا۔ اس صورت حال کی وجہ سے جو کشمکش پیدا ہوئی اس کا تدارک دباؤ سے کیا گیا اس تکلیف دہ واقعہ کو زندگی سے خارج کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ اس میں کامیابی ملی اور کومپلکس کو شعور میں سیدھے سادے عام راستہ سے داخل ہونے کی اجازت نہیں ملی۔ لیکن نوٹ اور اس کے نمبر سے اس کی شدید دلچسپی برقرار رہی۔ یعنی کومپلکس کو بالواسطہ اپنے اظہار کی راہ مل گئی۔ اور نک نوٹ کے نمبروں سے بڑھی ہوئی دلچسپی اس کیس کی سب سے اہم علامت بن کر رہ گئی۔

کومپلکس کے بالواسطہ ظاہر ہونے کی اب تک جتنی مثالیں دی گئی ہیں ان میں یہ بات بہت نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ سنسر کی زد سے باہر رہنے کے لیے کومپلکس کو اپنی ہیئت اس حد تک تبدیل کرنا پڑتی ہے کہ خود انسان دھوکہ کھا جائے اور اس کو شعور میں پیدا ہونے والے اصل خیالات کا قطعی علم نہ ہوسکے یعنی دبائے ہوئے کومپلکس کو شعور پر اثر انداز ہونے کی اجازت کسی نہ کسی حد تک اپنے کو مسخ یا تبدیل کرنے کے بعد ہی مل سکتی ہے

خیالات کی یہ لازمی تبدیلی یا مسخ مختلف طریقوں سے عمل میں آتی ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے کہ شعور سے اصل خیالات کو پوشیدہ رکھنے میں کامیابی حاصل کی جاسکے۔ ایسے بہت سے طریقوں کا ذکر ہوچکا ہے بقیہ کا اس باب اور آئندہ آنے والے باب میں ذکر ہوگا۔ بالواسطہ اظہار کی ساخت کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی مدد سے پاگل پن کی بہتیری ناقابل فہم اور بے معنی علامتوں کی وضاحت کی جاسکتی ہے اس مسئلہ پر تفصیلی غور و خوض ابھی ملتوی کیا جاتا ہے کچھ اور مواد اکٹھا ہونے پر غور کیا جائے گا۔

دبے ہوئے کومپلکس کے اظہار کے لیے مسخ کرنے کی جو لازمی ضرورت درپیش ہوتی ہے اس کی ایک اہم قسم اشاریت Symbolism کا استعمال ہے۔ مثلاً ایک عمر رسیدہ لیکن غیر شادی شدہ عورت، اکثر کتے بلیوں میں غیر معمولی دلچسپی لیتی دیکھی جاسکتی ہے اس کی وجہ وہ مادرانہ خواہشات یا جبلت ہوتی ہے جن کو کچل دیا جاتا ہے اور جو بعد میں اپنی صورت بدل کر اس رنگ میں سامنے آتی ہیں۔ روزمرہ کی زندگی میں ایسے لوگوں سے کثر سابقہ پڑتا ہے جو سماج کے روایتی ضوابط کی وجہ سے اپنی شخصی برتری کا اظہار براہ راست تو نہیں کرتے ہیں لیکن اس کے لیے دوسرے علامتی طریقے ڈھونڈ لیتے ہیں۔ مثلاً چال ڈھال اور لباس میں ناٹ اور زیبائش کا افراط سے شوق، عالمانہ فرہنگ یا کثیر الاجزا الفاظ کا گفتگو میں استعمال، یا اپنی تحریر کی

نوک پلک درست کرنے کا اہتمام وغیرہ۔ دیوانگی میں علامتی اظہار کو بہت اہمیت حاصل ہے جس میں متذکرہ بالا علامتیں اور بھی شدّت اختیار کر لیتی ہیں۔ گفتگو میں مصنوعی، نت نئے اور اجنبی الفاظ و تراکیب کی بھرمار ہوتی ہے اور دوسرے طور طریق بھی انتہائی مضحکہ خیز حد تک بناوٹی یا نمائشی ہوتے ہیں۔ نوعمر پاگلوں میں یہ صورت بہت دیکھنے میں آتی ہے۔

یہی اشاریت یا علامتی نظام بہت سے ان ساختہ بند افعال (Stereotyped) کا ذمہ دار بھی قرار دیا جاتا ہے جن کا تذکرہ تیسرے باب میں ہو چکا ہے ڈاکٹر ینگ کی دی ہوئی ایک مثال لیجیے۔ اس کی مدد سے ایسے افعال کو بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک عمر رسیدہ عورت، جو اسپتال میں عرصہ سے رہ رہی تھی نہ کچھ بولتی تھی اور نہ کچھ اپنے گرد و پیش میں دلچسپی لیتی تھی۔ سارا دن اپنا جسم سکوڑے، ایک خاص انداز سے بیٹھی اپنے ہاتھ کو اس طرح اوپر نیچے لاتی رہتی جیسے کہ جوتا سینے والے کرتے ہیں۔ تمام دن دنیا و مافیہا سے بے خبر یہی حرکت کرتی رہتی تھی۔ اس کام کو وہ بے داری میں اسی مخصوص انداز اور پابندی سے برسوں سے کرتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی گزشتہ زندگی کی چھان بین سے یہ معلوم ہوا کہ جب وہ نوجوان لڑکی تھی تو اس کی منگنی ہوئی تھی، لیکن شادی کی نوبت نہ آئی اور اس کی نسبت اچانک ختم ہو گئی جس کا لڑکی کو انتہائی صدمہ ہوا اس کے اثر سے اس کا دماغ متاثر ہوا اور وہ جلد ہی بالکل پاگل ہو گئی اور مدت العمر جنون میں مبتلا رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ دغا باز عاشق جوتے بنانے کا کام کرتا تھا۔

ان حقائق کے سہارے ہم اس نفسیاتی تسلسل کار کا اندازہ بہ آسانی لگا سکتے ہیں جو ان علامتوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس مثال میں لڑکی کی منگنی کے یکایک ٹوٹنے کی وجہ سے بڑی اذیت ناک کشمکش پیدا ہوئی جس کا حل دباؤ کے عمل سے نکالا گیا۔ تمام جذبات اور خواہشات جن کا اب خارجی حقائق سے کوئی واسطہ نہیں رہ گیا تھا دبا دیے جاتے ہیں، اور اب وہ بگڑی ہوئی صورت میں، بالواسطہ اپنے اظہار کے لیے کوئی راہ پا سکتے ہیں۔ اس معاملہ میں یہ اظہار اس ساختہ بند عمل میں ہوتا ہے جو مریضہ کے ان تمام تصورات و جذبات جن کا تعلق گمشدہ محبوب سے تھا علامت بن جاتا ہے۔ مریضہ کی حقائق سے اس قدر بے نیازی، گرد و پیش سے قطعی لاعلمی اور تمام دوسری علامتوں کی وضاحت آئندہ باب میں کی جائے گی۔

کچلے ہوئے کمپلکس اکثر و بیشتر جو طریقہ اپنے بالواسطہ اظہار کا اپناتے ہیں وہ انعکاس (Projection) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بہت اہم ہے اس کا تفصیلی ذکر کرنا بہت ضروری ہے۔ اگلا باب اسی کے لیے مخصوص ہے۔

باب ۹ نہم

انعکاس

Projection

گزشتہ باب میں کومپلکس کے مختلف مظاہر کو ان کی کچھ خصوصیات کے پیش نظر دو گروپوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی ایک گروپ ان مظاہر کا تھا جو کومپلکس کے بالواسطہ اظہار کا نتیجہ ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو احتساب اور دوسری رکاوٹوں کی وجہ سے کومپلکس کے معمول کے مطابق اثر اندازی کا نتیجہ نہیں ہوتے ہیں. لیکن یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ تقسیم مصنوعی ہے. کسی بھی علامت میں بالواسطہ اظہار اور رکاوٹوں کا اثر ساتھ ساتھ دیکھا جا سکتا ہے. اس کو اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ دونوں عناصر ابتدائی نبرد آزمائی کے بعد بالآخر مفاہمت پر راضی ہو جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں یہ علامتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں

گزشتہ باب میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مفاہمتی علامتوں میں ایک طاقت بہ نسبت دوسری کے زیادہ حاوی رہتی ہے. اسی مناسبت سے ان کی تقسیم دو گروپوں میں کر دی گئی تھی اب ہم علامتوں کے اس گروپ کی طرف توجہ دیں گے جو انعکاس (Projection) کے تحت آتے ہیں یہاں دونوں مدمقابل عناصر کا اثر تقریباً برابر دکھائی دیتا ہے. انعکاس کو کومپلکس کی موجودگی میں ذہن کا ایک مخصوص ردعمل کہا جا سکتا ہے اس میں شخصیت کومپلکس اور اس کے اثرات کو اپنے بجائے دوسرے خیالی یا حقیقی افراد سے منسوب کر دیتی ہے اس تعریف کی وضاحت چند سادہ مثالوں سے ممکن ہے. یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ اپنی جن کوتاہیوں اور کمزوریوں کی موجودگی کی وجہ سے شرمندگی محسوس کرتے ہیں انہیں کمزوریوں اور کوتاہیوں کی برائی وہ بڑی شد و مد سے اس وقت کرتے ہیں جب وہ کسی دوسرے میں نظر آتی ہیں. ایک

تازہ چمکا ہوا شخص جو اپنی سماجی ناپائیداری کا بخوبی احساس رکھتا ہے، اپنے گرد و پیش کے ناہنجار اور برادری سے باہر کے افراد کو خوب موضوع گفتگو بناتا ہے۔ آشوب زدہ ذہن دوسروں کی صاف ستھری قوت فکر سے محرومی برداشت نہیں کر پاتے جب کوئی شخص شدید تعصب کے خلاف نبرد آزما ہوتا ہے تو عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ خامی یا کمزوری خود اس شخص میں موجود ہوتی ہے اس کی بہترین مثال شیکسپیر کے ڈرامے ہیمٹ میں ملتی ہے جب ملکہ کوئی دوسری شادی کی مخالفت میں شدید جذبات کا اظہار کرتی ہے جب کہ خود اس کے دل میں اس طرح کی پوشیدہ خواہش موجود تھی۔

نفسیاتی نقطہ نظر سے جائزہ لینے پر معلوم ہوگا کہ ناپسندیدہ کمزوریوں اور خامیوں کی وجہ سے کومپلیکس پیدا ہوتا ہے اور ملامت نفس کی کیفیت کشمکش کا باعث ہوتی ہے۔ شخصیت اس تصادم سے بچنے کے لیے ان کمزوریوں کو کسی دوسرے کے سر منڈھ کر یا ان میں منعکس کرکے (Project) ان کی خاطر خواہ عیب جوئی کرکے وقتی طور پر ذہنی سکون حاصل کر لیتی ہے اور اس طرح مذکورہ شخص اس تکلیف دہ جذباتی تناؤ سے بچ جاتا ہے جو ان کمزوریوں کو اپنا مان کر ان کی برائی کرنے سے پیدا ہوتا گویا اپنی ملامت کرنے کے بجائے پڑوسیوں پر غصہ اتار لیا جاتا ہے۔ اس طرح انعکاس کا حیاتیاتی مقصد وہی ہے جو بالعموم دباؤ کے مختلف اقسام کا ہے یعنی کشمکش کی برطرفی اور سطحی طور پر ذہنی سکون کا حصول

دیوانگی کے میدان میں پروجکشن کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کو بہتیری علامتوں کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ شراب کا سہارا جس کا ذکر گزشتہ باب میں ایک پناہ گاہ کے طور پر ہو چکا ہے بہت سے لوگ اسی قسم کی ذہنی الجھنوں سے بچنے کے لیے لیتے ہیں۔ اکثر عادی شرابی اپنی بیوی اور عزیزوں کے متعلق شدید غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ میرے ایک مریض کو یہ شکایت تھی کہ اس کی بیوی بدچلن، شرابی اور بیحد فضول خرچ ہے اس کو شوہر اور بچوں کی کوئی پرواہ نہیں ہے، اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے گھر تباہ و برباد ہو رہا ہے۔ چھان بین سے پتہ چلا کہ یہ تمام الزامات محض مغالطے تھے اور ان کی کوئی بنیاد نہ تھی، دراصل مجرم وہ خود تھا جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ بیوی کے بجائے خود اس کے لیے صحیح تھا۔ اس مغالطہ کا نفسیاتی تجزیہ اس کو انعکاس (Projection) کی ایک اچھی مثال قرار دے گا۔ اس میں مذکورہ شخص ایک اجنبی کی طرح ان برائیوں کو دور سے دیکھتا ہے اور ان پر جی بھر کے لعن طعن کرکے خیالی طور پر اس پچھتاوے سے بچ جاتا ہے جس کا مرکز حقیقتاً وہ خود ہے۔ اس قسم کے واقعات میں شراب واقعتاً بہت اہم کردار ادا کرتی ہے جس کی وجہ سے کشمکش اور الجھنوں سے نجات تو مل جاتی ہے لیکن یہ ذہنی سکون بڑا مہنگا پڑتا ہے کیونکہ اس میں دماغی انضباط اور ایمانداری جیسے جذبے مجروح ہوتے ہیں اور ان سب باتوں کی شدت بالآخر اس کو پاگل خانہ میں لا کھڑا کرتی ہے۔

زیادہ تر ایسے واقعات جن میں انسان اس خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا اس کی دشمن (مغالطہ ایذا) ہوگئی ہے اسی انعکاس (Projection) کے تحت بیان کیے جا سکتے ہیں اس میں انسان کے اندر کچھ ایسی خواہشات پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے علم اصول اور میلانات سے بالکل مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ شخصیت کے لیے بڑی نفرت انگیز بھی ہوتی ہیں اس لیے دماغ ان خواہشات کو اپنانے سے انکار کرتے ہوئے ان کو کسی دوسرے حقیقی یا خیالی انسان سے منسوب کر کے اس شخص کو اپنا در پے آزار دشمن سمجھ لیتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں اس کی چھوٹی موٹی مثالیں ہر وقت دیکھنے میں آتی ہیں خاص کر جب ہم اپنی اخلاقی کمزوریوں کے لیے مختلف عذر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم خود اپنی غلطیوں کی ذمہ داری کبھی قبول نہیں کرتے ہیں۔ قصوروار ہمیشہ کوئی اور ہی قرار دیا جاتا ہے۔ "عورت نے مجھے ورغلایا" کی کہانی بہت فرسودہ ہو چکی ہے کیونکہ یہ ہر بد چلن آدمی کے منہ پر رہتی ہے جو اپنی بے گناہی کی طرح طرح کی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ پاگلوں کے یہاں یہ صورت اور شدت اختیار کر لیتی ہے۔ ایک مثال لیجیے۔ ایک اچھے چال چلن کی غیر شادی شدہ عورت جس کی عمر خاصی تھی، یکایک یہ شکایت کرنے لگی کہ اس کی جان پہچان کا ایک شخص اس کی مرضی کے خلاف اس میں غیر معمولی دلچسپی لے رہا ہے یہی نہیں بلکہ شادی کرنا چاہتا ہے اور ہمیشہ اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اور آخر میں چند ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے سبب سے اس عورت کو یہ یقین ہو گیا کہ وہ شخص اس کو اغوا کر لے جائے گا۔ اس خیال کے تحت عورت نے اس کے خلاف رپورٹ کر دی، تفتیش شروع ہوئی تو یہ معلوم ہوا کہ وہ مرد بالکل بے گناہ تھا، اس کو تو اس پورے واقعہ کا علم ہی نہیں تھا۔ اور اس عورت میں دلچسپی لینا تو درکنار وہ تو اس کے وجود سے بھی بے خبر تھا۔ تصدیق ہو گئی کہ عورت مغالطہ ایذا رسانی میں مبتلا تھی، انجام کار پاگل خانہ بھیج دی گئی۔

واقعات کے اس غیر معمولی تسلسل کو ہم ان نفسیاتی اصولوں کے تحت بیان کر سکتے ہیں جو ہمارے درس میں ہیں۔ مریضہ کی جنسی جبلتوں کو چونکہ معمول کے مطابق اظہار کے مواقع نہیں تھے اس لیے ایسے خیالات کو سختی سے دبانے کے ساتھ، ساتھ اس کے برعکس خیالات شعور میں بڑھ چڑھ کر اپنا مقام بناتے رہے اس پارسائی پر زور بہت بڑھ جاتا ہے اور یہ کچلے ہوئے جذبات بالآخر پروجکشن کی مدد سے اپنے اظہار کا بالواسطہ راستہ ڈھونڈنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، زیر نظر معاملہ میں مرد کی موجودگی نے ان جذبات کو ابھارنے کا کام کیا مگر بات درحقیقت یہ تھی کہ وہ مرد نہیں بلکہ یہ عورت خود اس میں دلچسپی لے رہی تھی بلکہ اس پر عاشق ہو گئی تھی۔ لیکن چونکہ اس سلسلے کے تمام خیالات دبے اور کچلے ہوئے تھے اس لیے دماغ ان کو اپنانے پر تیار نہ ہو کر اس کشمکش سے اس طرح بچ نکلتا ہے کہ جیسے وہ خیالات و جذبات کسی

اور کے ہیں اور وہ تو محض ان خیالات کا شکار بن گیا ہے۔ اس کومپلکس کی موجودگی اس مرد کو ایک دشمن کی صورت میں سامنے لا کھڑا کرتی ہے اور پھر اس مغالطہ کی نت نئی شاخیں ہو جاتی ہے کہ ساری خدائی اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔

اس قسم کے مغالطہ میں اکثر خواہشات کسی خیالی انسان سے بھی منسوب کر دی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کشمکش سے چھٹکارا پانے کے لیے صرف برتاؤ اور چال چلن وغیرہ ہی نہیں گڑھے جاتے ہیں بلکہ خیالی طور پر مکمل انسان تشکیل دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے پیچیدہ انعکاس کے معاملات برابر دیکھنے میں آتے ہیں۔ دار پاگل خانوں میں برابر ایسی عورتیں نظر آتی ہیں جو کسی خیالی شخص کے تشدد آمیز عشق کی شکایت کرتی ہیں۔ انعکاس کی دوسری قسم میں کومپلکس کے بجائے اس کے سلسلے کی لعنت ملامت کے لیے نکاسی کی کوئی راہ تلاش کی جاتی ہے۔ اس کا بھی حیاتیاتی مقصد تصادم سے بچنا ہی ہوتا ہے لیکن اس کے لیے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ ٹکراؤ پیدا کرنے والے خیالات میں سے کسی ایک کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ ان متخالف خیالات کو ایک دوسرے سے الگ رکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک کو کہیں اور منعکس (Project) کر دیا جائے۔ یہاں ہم جن واقعات کا حوالہ دے رہے ہیں ان میں مریض خود کو برا بھلا نہیں کہتا ہے بلکہ اس کو یہ گمان رہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کو ملامت کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال کی عام وجہ تو یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے دل کا چور اس کو خوف زدہ کیے رہتا ہے۔ یہی صورت حال بڑھتے بڑھتے وہ شکل اختیار کر لیتی ہے جب کہ مریض اس دھوکہ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہر ایک اسی کو موضوع گفتگو بنائے ہوئے ہے اور عام طور پر ساری خدائی اس کے خلاف کام کر رہی ہے۔ اس کو ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آنے لگتے ہیں جو اس کو مٹانے اور تباہ و برباد کرنے کے لیے سازش کر رہے ہوں۔ ایسے مریضوں میں وہمی فریب نظر (Hallucination) بہت بڑھ جاتا ہے ان کو نظر آنے والے کتنے ہی خطرناک دشمنوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا ہے، یہ سب ان کے ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت ذہن کے جس حصہ کو کاٹ کر الگ کر دیتی ہے وہ اکثر خیالی آوازوں کا روپ اختیار کر لیتا ہے انھیں ہم ضمیر کی آواز بھی کہہ سکتے ہیں جو کچلے جانے کی وجہ سے اپنی صورت بدلنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ ایک ایسا شخص جس کی بدحرکتوں کی وجہ سے اس کا خاندان تباہی میں مبتلا ہوا، اپنے سابقہ تجربات کو بڑے سکون واطمینان سے بیان کرتا ہے، ساتھ ہی وہ بڑی تلخی سے ان سازشوں کا ذکر کرتا ہے جو اس کو ستانے کے لیے کی جاتی تھیں، یعنی کس طرح لوگ چھت، اور بستر میں چھپ کر اس کو گالیاں دیتے اور ڈراتے دھمکاتے تھے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر ہو گئی تھی۔ اس طرح کے مریض تاسف اور پچھتاوے سے تو ضرور بچ جاتے ہیں لیکن ان کی حالت اس شخص کی طرح ہو جاتی

ہے جو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جائے، کچھ پریشانیوں سے نجات پانے کے لیے وہ اپنی بہت قیمتی شے یعنی ذہنی توازن سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

باب چہارم میں توہماتی فریب و مغالطہ (Hallucination) اور اس کے سلسلے کے خیالات کے بارے میں یہ کہا جا چکا ہے کہ یہ ذہن کی تقسیم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب تقسیم شعور کے سبب کی ہم آسانی کے ساتھ وضاحت کر سکتے ہیں۔ چوں کہ یہ خیالات کسی نہ کسی سبب سے شخصیت کے لیے ناپسندیدہ ہوتے ہیں اس لیے تصادم کی صورت شعور میں پیدا کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کو دبا دیا جاتا ہے اور چوں کہ کومپلیکس تبدیل ہیئت کے بغیر ظاہر نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے بالواسطہ اظہار کے لیے انعکاس کا عمل نمودار ہوتا ہے جس کے مطابق شخصیت سے الگ ہو کر ایک علاحدہ نظام کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

بابِ دہم

پاگلوں کی لامنطقیت

مخبوط الحواس لوگوں کی سب سے عام، لیکن اہم اور نمایاں خاصیت ان کی منطق سے ان کی قطعی بے نیازی ہے۔ یہ معلوم ہونے ہوئے بھی کہ ان کے خدشات غلط ہیں، ان کے وہم کا دراصل کوئی وجود نہیں ہے اور ان کی افسردگی یا خوشی کیا اصل واقعہ یا موقع سے کوئی مناسبت نہیں ہے، یہ لوگ حقیقت کے قائل نہیں کیے جا سکتے ہیں ان کا اڑیل دماغ لاکھ کوششوں کے باوجود بھی کوئی معقول بات سننے اور سمجھنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہوتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر ایک عام آدمی یہی سوچتا ہے کہ اس کا دماغ ٹھیک سے کام نہیں کر رہا ہے۔ قوت استدلال مجروح ہو چکی ہے جس کی وجہ سے وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہو چکا ہے۔ اس کے ذہن میں کوئی بھی بے ڈھنگا اور بے بنیاد خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ اصل واقعہ اس سے قدرے مختلف ہے۔ زیادہ تر مریضوں میں سوچنے سمجھنے اور دلائل سے کام لینے کی بہترین صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن صرف ان ہی معاملات تک کہ جن کا تعلق اس کے امراض یعنی خبط، شک، اور وہم وغیرہ سے نہ ہو۔ مثلاً وہ مریض جو اپنے کو جارج ششم کا بیٹا کہتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ریاضی کے مشکل ترین سوالات حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اسپتال کے کتنے ہی ایسے کام انجام دے سکتا ہو جن میں سمجھ بوجھ کی خاص ضرورت پڑتی ہے۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ اس کی عقل اس وقت تک ٹھیک سے کام کرتی رہتی ہے جب تک کہ اس کے خاندان کا تذکرہ نہیں ہوتا ہے۔ ایسا ذکر آتے ہی تمام

دماغی صلاحیتیں مریض دبے کار ہو جاتی ہیں۔ یا ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ سطحی مشاہد کی رائے اس معاملہ میں درست نہیں سمجھی جا سکتی ہے اور یہ باور کریں کہ مریض کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں برقرار رہتی ہیں اور مریض کا اصل سبب قوت استدلال کی خرابی نہیں ہے۔

گزشتہ ابواب میں جو نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں ان کی بنیاد پر ہم کو دوسری رائے زیادہ صائب معلوم ہوتی ہے غیر مستدل دماغی فعل کی شروعات سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں میں خلل پڑنے سے نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کا سبب وہ مواد ہے جو ان صلاحیتوں کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ مریض اپنے کو جارج پنجم کا بیٹا اس لیے نہیں کہتا ہے کہ اس کی عقل کام نہیں کرتی ہے بلکہ تمام باتیں اس طور سے اس کے دماغ کے سامنے آتی ہیں کہ اس کے ربط اور ترتیب کو دیکھتے ہوئے یہی قابل قبول منطقی نتیجہ اس کا ذہن نکال سکتا ہے اس کے بظاہر غیر منطقی معلوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ مشاہدہ کرنے والا تو صرف نتائج کو دیکھتا ہے وہ اس ذہنی عمل سے واقفیت نہیں رکھتا جو ان نتائج کو پیدا کر رہا ہے جو بظاہر حق بجانب نہیں ہیں۔ مغالطے چونکہ پوشیدہ ذہنی عمل کا بالواسطہ اظہار ہوتے ہیں، اس لیے بظاہر انتہائی احمقانہ بلکہ اس نظر آتے ہیں لیکن پوشیدہ ذہنی عمل کا علم ہوتے ہی یہ ناقابل فہم اور بے بنیاد نہیں رہ جاتے ہیں۔ ایک شخص کا معمولی معمولی باتوں پر غیظ و غضب کا شکار ہو جانا اس وقت تک بڑا تعجب خیز لگتا ہے جب تک کہ اس کے مناسب اسباب کا صحیح علم نہ ہو جائے۔

اس امر میں تو کسی شک کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ مغالطہ میں مبتلا مریضوں کو قائل کرنے کی کوشش قطعی بے سود ہے چونکہ ہمارے تمام دلائل، ظاہری علامتوں کے خلاف دیے جاتے ہیں ان کا اصلی پوشیدہ اسباب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے اسی لیے وہ کارگر ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ مریض طرح طرح کی صفائی اور تاویلیں پیش کر کے کومپلکس سے متعلق اپنے اقدام کو ٹھیک ثابت کرنے کی کوشش میں خیالی منطقی دلائل پیش کرنے لگتا ہے۔

ایسا ممکن ہے کہ ہم اپنے دلائل کی مدد سے مریض کے پیش کردہ تمام استدلال اور صفائیوں کو بے کار ثابت کر کے اس کو خاموش کر دیں۔ لیکن چوں کہ کومپلکس اب بھی اس کے ذہن میں موجود ہے، اس لیے اس کے اثرات ختم نہیں ہو جاتے ہیں اور سب کچھ ہونے کے بعد بھی مریض اپنی سابقہ رائے پر قائم رہتا ہے۔

کومپلکس کے مقابلے میں منطق کی بے مائگی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کسی سیاست داں یا فرقہ پرست کو دلائل کی مدد سے قائل کر لینے کی امید شاید ہی کوئی کرتا ہو اسی طرح ماہر نفسیات پاگلوں کے مغالطے

سینے میں منطقی دلائل کے بے مصرف ہونے کو خوب سمجھتا ہے۔ سیاست داں یا فرقہ پرست کے معاملہ میں ہم یہ نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی عقل کند ہوگئی ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کی رائے واقعی منطقی دلائل پر مبنی نہیں ہوتی ہے، بلکہ یہ ایک طرح کے کومپلکس کے زیر اثر قائم کی جاتی ہے لیکن وہ خود اپنی رائے کو حق بجانب اور بدیہی طور پر صحیح سمجھتا ہے جس میں کسی قسم کی غلطی کا احتمال نہیں ہوتا ہے اس کو تو حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ ایسے واقعات اور حالات میں دوسری رائے کیونکر قائم کر لیتے ہیں جیسے قدامت پسند ہمیشہ لبرل کو ہی الزام دیتے ہیں کہ وہ معقولیت سے کام کیوں نہیں لیتے ہیں اور پبلک مسائل کے سلسلے میں ان کا پیش کیا ہوا تنہا ممکنہ حل کیوں قبول نہیں کرتے (۱)

آئندہ بھی ہم اس کی کوشش کریں گے کہ ذہنی عمل میں نارمل اور پاگل لوگوں کی یکسانیت کو ظاہر کیا جاسکے۔ ساتھ ہی پاگلوں کے ذہن میں جھانکنے اور ان ذہنی افعال کو اسی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کرینگے جس طرح وہ خود مریضوں کو نظر آتے ہیں۔

عام آدمیوں کے بہتیرے افعال بھی انہی دونوں اوصاف کے حامل نظر آتے ہیں (یعنی حقیقتاً غیر منطقی مگر بدیہی طور پر قطعی اور درست معلوم ہونے والے) جو سیاست داں اور فرقہ پرست کے سلسلے میں ذکر ہو چکے ہیں اس کی سب سے نمایاں مثال ان افعال میں ظاہر ہوتی ہے جو بنیادی جبلتوں کے زیر اثر براہ راست آتے ہیں، مثلاً تحفظ ذات، تغذیہ اور جنس وغیرہ۔ ولیم جیمز کہتے ہیں (۱) کہ سائنسداں ایسے افعال کی افادیت تلاش کرتے ہیں لیکن ان پر عمل کرنے والا اس افادیت کو پیش نظر نہیں رکھتا ہے بلکہ وہ ان پر عمل اس لیے کرتا ہے کہ ایسا کرنا اس کو ٹھیک اور فطری معلوم ہوتا ہے شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جو کھانا کھاتے وقت اس کے فائدہ کے چکر میں پڑتا ہو، وہ اس لیے کھاتا ہے کہ کھانا اس کو خوش ذائقہ معلوم ہوتا ہے، اور مزید کھانے کو جی چاہتا ہے۔ اگر اس سے سوال کیا جائے کہ وہ فلاں فلاں چیز کیوں کھا رہا ہے تو وہ فلسفی سمجھ کر احترام سے پیش آنے کے بجائے بے وقوف سمجھ کر ہنس دے گا اس کے لیے ذائقہ اور عمل میں ربط کی دلیل کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ یہ سوالات فلسفی کے لیے ہیں کہ ہم خوشی کے وقت مسکراتے کیوں ہیں، ناک بھوں کیوں نہیں چڑھاتے ہیں؟ ہم مجمع سے اس طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے، جیسے کہ ہم ایک تنہا دوست سے کرتے ہیں؟ کوئی دوشیزہ عقلی دلائل کیوں درہم برہم کر دیتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ عام آدمی تو ان سوالات کے صرف یہی جواب دے گا، بیشک ہم ہنستے ہیں، بیشک مجمع دیکھ کر ہمارا دل دھڑکتا ہے، بیشک اچھی

---

(1) W. Trotter "Instinct of the Herd in Peace & War" London, 1916

بےشک ابھی صورت پسند آتی ہے اور ہمیشہ سے قابل محبت بھی جاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض مواقع میں جانور بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہوں مرغی کو انڈوں کے ڈھیر پر بیٹھ کر ان کو سینے میں جو لگن اور دلچسپی ہے اس کے آگے اور سب چیزیں ہیچ ہو جاتی ہیں اس کو یہ گمان بھی نہ ہوتا ہوگا کہ دنیا میں کوئی مخلوق ایسی بھی ہوسکتی ہے جس کے لیے یہ مشغلہ دلچسپ نہ ہو۔

ٹراٹر (Trotter) نے اپنے بہت خیال انگیز اور پراثر مضمون (۱) "گروہی جبلت" میں جس کا ہم نے اقتباس دیا ہے اس کا ذکر کیا ہے کہ بہت سے ذہنی افعال میں یہ خصوصیت موجود ہوتی ہے۔ حالانکہ ان کا شمار ان تین بنیادی جبلتوں میں نہیں ہوتا ہے۔ ٹراٹر کے مطابق چرچ، اسٹیٹ، خاندان، عورت، پاکبازی، جرم وغیرہ کے متعلق گروہی تصورات بدیہی صداقت کے طور پر بہت مقبول ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک جوڑی جبلت کے تحت رکھے جاسکتے ہیں۔ اس کا بہت نمایاں اظہار جانوروں کے گلے کی صورت میں رہنا کہا جاسکتا ہے اسی کو وہ گروہی جبلت کہتا ہے۔ اسی اجتماعی جبلت کے تحت انسان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ بھی وہی کرے جیسا کہ اسی کے فرقے کے اور لوگ کرتے ہیں اسی خواہش کے تحت انسان بغیر کچھ سوچے سمجھے بہت سے ان عقائد اور خیالات کی پیروی کرنے لگتا ہے جو فرقہ میں رائج ہوتے ہیں۔ ایک عام انسان کی اخلاقی زندگی کو مرتب کرنے میں فرقہ کے پیش کردہ عقائد اور اصول بہت اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں سے یہ پوچھا جائے کہ وہ فلاں فلاں کام کیوں کرتے ہیں تو وہ اپنے اقدام کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ویسی ہی توجیہات کی مدد لیں گے جن کا ذکر پانچویں باب میں ہو چکا ہے اور پھر ان ہی اسباب کو اپنے افعال کا ذمہ دار بھی سمجھیں گے حالانکہ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ فرقے کے لوگ ایسا ہی کرتے ہیں اور گروہی جبلت کا یہی تقاضا ہے بعد میں دلیلیں اس لیے ایجاد کر لی جاتی ہیں کہ انسان کے اندر یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے افعال وخیالات کی بنیاد منطقی دلائل پر رکھ سکے۔ ایک عام آدمی کے ذہن کا اگر جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھیں گے کہ اس کے اندر مختلف النوع موضوعات کے سلسلے میں پختہ خیالات، فیصلے اور مستحکم رائیں موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً دنیا کے وجود میں آنے، مرنے کے بعد کہاں جائیں گے، حکومت کیسے چلائی جائے، فوجی تیاریاں، ٹیکس کے اصول، شراب اور ٹیکہ لگوانے کے اثرات، انفلوئنزا کا علاج، کتے کے کاٹے کا تدارک، میونسپلٹی کی تجارت، یونانی تعلیمات، فنون لطیفہ میں کیا مباح ہے، ادب میں کیا اطمینان بخش ہے

---

(۱) تحلیل نفسی والے ٹراٹر کے اس نظریے کو نہیں مانتے ہیں۔ نفسیاتی تجزیہ کے ذریعہ حاصل شدہ کسی بھی عنصر سے ان کو مناسبت حاصل نہیں ہے، یہ ایک حیاتیاتی عمل ہے، نفسیاتی نہیں۔

سائنس میں کیا امید افزا ہے، غرض کہ ان گنت چیزوں کے بارے میں قطعی معلومات کا ذخیرہ موجود ہوتا ہے
ان میں سے زیادہ تر رائیں بلا دلیل و بے بنیاد ملیں گی کیونکہ ان میں سے اب بھی بہت سی باتیں ماہرین کی رائے میں حل طلب ہیں۔ اور ان پر قطعی رائے دینے کا اہل ایک عام آدمی کو ہرگز نہیں مانا جا سکتا ہے اگر وہ واقعی منطقی طریقہ اپنائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ اسے توقف کرنا چاہیے (۱)

یہ تمام غیر منطقی رائیں، قائم کرنے والے، ان کو صحیح سمجھتے ہوئے ان کے بارے میں کسی قسم کے شک کے اظہار کو بھی احمقانہ قرار دیتے ہیں، اور خاصے جذباتی انداز میں ان سے چپٹے رہتے ہیں۔ جب کہ اصل حقیقت جو سائنس کی مدد سے مختلف حقائق کے مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اس میں وہ گرمی اور جوش ناپید ہوتا ہے جو غیر منطقی عقاید کے معاملہ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر اس کی سچائی پر شک ظاہر کیا جاتا ہے تو بجائے ناراضگی کے اس کی بنیادوں کا مزید احتیاط کے ساتھ دوبارہ جائزہ لینے کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی افعال کا یہ فرق دروں بینی کی مدد سے دیکھا جا سکتا ہے ہمارے ذہن میں مثلاً ان دو رایوں کے درمیان بڑا نمایاں فرق ملے گا، عورتوں کو ستانے والا مرد کمینہ ہوتا ہے' یا' زمین سورج کے گرد گھومتی ہے' ایک میں جذباتی انداز شامل ہے دوسری بس ایک حقیقت کی طرح باور کی جاتی ہے۔

اگر ان حقائق کو ہم گزشتہ ابواب میں بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ان غیر منطقی اعتقادات کا اصل سرچشمہ کومپلکس ہوتے ہیں جن کے ساتھ لازماً گرم جوشی اور جذباتیت کا خاصا اثر رہتا ہے۔ اگر ان اعتقادات کے بارے میں بحث کی جائے تو ایسے لوگ کومپلکس کے زیر اثر یا تو ان اعتراضات کو مہمل کہہ کر نظر انداز کر دیں گے، یا پھر ایسی شہادتیں اور تاویلیں دھڑا دھڑ پیش کریں گے جو صرف انھیں کے لیے بہت اطمینان بخش ہو سکتی ہیں۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں مخبوط الحواس لوگوں کے مغالطوں کے خصوصیات بھی بالکل یہی ہوتے ہیں' وہ بھی غیر منطقی دلائل پر مبنی اور کومپلکس کی پیداوار ہوتے ہیں، ان میں جبلی قطعیت اور شدید جذبہ کی کارفرمائی نمایاں طور پر ہوتی ہے، ان کے حقیقی اور اصل ہونے میں کسی قسم کے شبہہ کی گنجائش نہیں ہوتی ہے بلکہ مریض کو تو حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ آخر اس کی اصلیت پر کیوں کر معترض ہوتے ہیں، تمام دلائل کے مطابق یہی ایک صورت صحیح قرار پا سکتی ہے۔ اس داخلی صورت حال کی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے

---

(1) Trotter, Instinct of the Herd. Peace and war, London 1916

ہیں کہ پاگل لوگوں کی کم عقل یا حماقتوں کی اصل وجہ صرف یہ نہیں ہوتی ہے کہ ان کی قوت عقل و استدلال فی نفسہ معتدل لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے بہت سے اعتقادات بالکل اسی طرح سے غیر منطقی اصولوں سے نمودار ہوتے ہیں اس لیے پاگلوں میں اس حیثیت سے کسی خاص فتور کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی اگر ایسا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ ایک پاگل کی خصوصیت اور پہچان کیا ہے؟ یہ سوال بڑا پیچیدہ ہے۔ اس کا اطمینان بخش جواب دینا موجودہ معلومات کی بنا پر بہت مشکل ہے، مزید براں مسئلہ کی نوعیت بھی بہت مبہم ہے۔ پاگل پن کوئی اس طرح کی متعین چیز نہیں ہے جیسے دق کی بیماری یا کالا بخار۔ دماغی خلل بہت سی بے جوڑ علامتوں کا نام ہے جن میں زمانے کے ساتھ ساتھ تغیرات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً پرانے زمانے کے بہت سے لوگ جن کو باعزت و وقعت سمجھا جاتا تھا اگر اب مل جائیں تو بلا جھجک سیدھے پاگل خانہ روانہ کر دیا جائے گا۔ ایک واحد حل اس صورت حال کا یہ ہی رہ جاتا ہے کہ ممکنہ اور فی نفسہ امتیازات کا تذکرہ کر دیا جائے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی لازمی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سب مل کر مخبط الحواس اور صحیح الدماغ انسان کے درمیان تفریق کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔

پہلا فرق تو شدت کا ہوتا ہے یعنی مختلف مظاہر کسی خاص شدت پر مشتمل ہوتے ہیں۔ گزشتہ ابواب میں یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ پاگل لوگوں کی علامات بھی اسی نفسیاتی ساخت کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہیں جو عام لوگوں میں بھی موجود ہوتی ہے لیکن پاگلوں کے یہاں ان کا عمل اعتدال کی عمومی حدوں سے تجاوز کر جاتا ہے۔ مثلاً ایک نااہل انسان اگر اپنی ناکامی کا الزام اپنے افسران اور اپنے وزراروں کے سر تھوپے تب بھی وہ پاگل نہیں کہلائے گا مگر جو شخص پولیس میں یہ رپورٹ کرے کہ سارے لوگ اس کے خلاف منظم سازش میں لگے ہیں تو یقیناً وہ پاگل قرار دے کر اسپتال روانہ کر دیا جائے گا۔ دونوں ہی جگہ نفسیاتی عمل یکساں ہے بس فرق حدود کے اندر اور باہر کا ہے۔

دوسری نشانزیادہ اہم کسوٹی ہم برتاؤ کو قرار دے سکتے ہیں، پاگل آدمی ملنسار یا سوشل نہیں ہوگا قانون کی زبان میں اس کو یوں کہتے ہیں کہ فلاں شخص 'اپنے یا دوسروں کے لیے خطرناک ہے یا نہیں' اسی پر زیادہ تر اس کا انحصار ہوتا ہے کہ اسے پاگل خانے بھیجا جائے یا نہیں۔ اس کی تنہائی پسندی مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی یا یں معنی کہ مغالطہ ایذا کی وجہ سے وہ اپنی یا دوسروں کی جان لینے کے درپے ہو جائے یا دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے اور معمول کے مطابق برتاؤ کرنے کی صلاحیت کھو دینے کی وجہ سے سماج سے کٹ جاتا ہے اسے جذباتی ڈیمینشیا (Emotional Dementia) کا نام دیا جاتا ہے۔

تیسری تفریق نفسیاتی نظام، جو کہ علامتوں کا ذمہ دار ہوتا ہے، کی نوعیت کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ روزمرہ کی زندگی میں برسرِ عمل بہت سے ذہنی افعال اور جنون کی بعض قطعی علامتیں دبائے گئے بہت سے کومپلکسوں کی وجہ سے نمودار ہوتی ہیں موخرالذکر میں یہ اظہار زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے اس لیے ہیئت زیادہ بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک فرق یہ بھی ہے کہ جنون میں پیش کیے جانے والے توجیہات بہ نسبت عام حالات کے زیادہ بدیہی اور کم معقول ہوتے ہیں۔

پاگلوں اور عام افراد کے مغالطے اور اعتقادات اگرچہ بعض اوقات خلافِ عقل ہونے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں پھر بھی ان میں ایسا فرق موجود رہتا ہے کہ علامتوں کو علاحدہ خانوں میں بانٹنا ممکن رہتا ہے۔ عام آدمیوں کے اعتقادات خواہ غلط ہوں یا صحیح سماجی رسم و رواج اور گروہی جبلّت پر منحصر ہوتے ہیں۔ جب کہ پاگل آدمی کے مغالطے انفرادی انحرافات کے حامل ہوتے ہیں اور گروہی جبلّت کے برعکس ہوتے ہیں یہ فرق بہت اہم ہے جس کا ذکر بارھویں باب میں ہوگا۔ مزید برآں صحیح الدماغ لوگوں کے یہاں ان اعتقادات اور خیالات میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے جو تجربہ سے غلط ثابت ہو جائیں۔ مثلاً ایک آدمی جو نادار ہے وہ اپنے کو لکھ پتی نہیں سمجھے گا۔ دماغی طور پر صحت مند افراد بھی اکثر اپنے اعتقادات وغیرہ سے شدید جذباتی وابستگی رکھتے ہیں اور عموماً ان کے خلاف کچھ سننا پسند نہیں کرتے ہیں لیکن یہ صورت حال ہمیشہ قائم نہیں رہتی ہے تجربات و حقائق کا اثر آہستہ آہستہ پڑتا رہتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ مخالف قوتیں اس پر غالب آجائیں اور اس کو اپنی غلطی کا اندازہ ہو جائے اس طرح وہ ان اعتقادات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا، جب کہ پاگلوں کے مغالطے ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ وہاں مخالفت الٹا اثر کرتی ہے جتنی مخالفت ہوتی ہے اتنا ہی مغالطہ پختہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ تقسیم شعور کی وہ صورت ہے جہاں ذہنی افعال کو کھلی چھوٹ مل جاتی ہے کہ جو راستہ وہ چاہیں اپنائیں ان کو اصل حقائق یا اصل تجربات سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہ جاتا ہے۔

بابِ یازدہم

خیالی دنیا

(PHANTASY)

کومپلکس کے زیرِ اثر، افعال متحرک ہو کر اپنے مقاصد کے حصول کی کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصد کا حصول مکمل نہیں بلکہ ناقص اور محدود ہوتا ہے یعنی حقیقی نہیں بلکہ محض خیالی ہوتا ہے یہی چیز وہمی صورت گری کہی جاتی ہے۔ انسان خیالی پلاؤ پکاتا ہے اور اس طرح احمقوں کی جنت کی سیر کر لیتا ہے کومپلکس حقیقی دنیا کی تشفی کے بجائے خوش گوار خیالی تصویریں بنا کر خواہشات کی تکمیل کر لیتا ہے۔

کومپلکس اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جو دو مختلف حقیقی اور خیالی طریقے اپناتا ہے اس کا فرق ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ خود نمائی اور تسلط کے ذریعے انسان اپنے کو منفرد و مافوق قرار دیے جانے کے لیے بڑی جدوجہد کرتا ہے اس کی حریصانہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسا کارنمایاں کرے جس کی بدولت اس کی عزت و توقیر دوسروں کی نظروں میں بڑھے۔

افعال میں، براہِ راست اظہار کے علاوہ ایسا بھی ممکن ہے کہ خود نمائی کی یہ خواہش وہمی صورت گری (Phantasy) کا سہارا لے کر آگے بڑھنے کی کوشش کرے، اور خوش خیالیوں (Daydreaming) کا شکار ہو جائے انسان اپنی عمر کے ہر دور میں اس کے زیرِ اثر آتا ہے لیکن بلوغت کا زمانہ سب سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اپنی خیالی دنیا میں خود کو ہیرو سمجھتے ہوئے بے شمار ایسے کارنامے انجام دیتا ہے۔ جس کے لیے وہ مجمع سے اپنے خیال میں بڑی داد بھی وصول کرتا ہے۔ وہمی صورت گری کی دنیا میں جنس کا کومپلکس بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دونوں مل کر بڑے شاندار کارنامے عام طور پر اس لڑکی یا جو بہ

کی موجودگی میں انجام دیتے ہیں جس کی تحسین آمیز نگاہ التفات کو ہیرو صاحب اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

ان خیالی باتوں کا تذکرہ عام طور پر کم سنائی دیتا ہے اس لیے کہ شرمندگی کی وجہ سے لوگ جلدی ان کے بارے میں بتانے پر تیار ہوتے نہیں ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیے کہ ان کو دبانے (Repression) کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اگر ایسے خیالات حد سے تجاوز کر جائیں تو یقیناً مضرت رساں ثابت ہوں گے کیونکہ کومپلکس کی ساری قوت ان خوش فہمیوں کو ڈھونڈنے میں صرف ہو جاتی ہے جب کہ عملی نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلتا ہے۔ ولیم جیمز کا قول کہ وہ روسی خاتون جو ڈرامہ کے فرضی کرداروں کے لیے آنسو بہاتی ہے لیکن باہر سردی میں ٹھٹھر کے مرجانے والے کوچوان سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں رکھتی ہے اسی خیال کا نمونہ ہے جس کی نسبتاً کم نمودار مثالیں برابر مل جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو نہ خود موسیقی کے ماہر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان میں موسیقی کو ذہانت کے ساتھ سمجھنے کی صلاحیت ہی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اس میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں اس لیے کہ یہ بات ان کے لیے انبساط کا باعث ہوتی ہے۔ ان صورتوں میں جذبات سے سرشاری کے بعد بھی ان کے اظہار کی کوئی حقیقی صورت نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ جذبات کا اظہار کسی نہ کسی صورت سے کیا جانا انتہائی لازمی ہوتا ہے خواہ یہ اظہار کسی ادنیٰ سی حرکت کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً کسی سے بے تکلفی کی گفتگو ہی سہی یا کسی کے لیے کسی ساری میں اپنی نشست خالی کر دینا ہی سہی۔ اگر کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا جاسکتا تو تشفی کے لیے کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہیے۔

خواب بیداری (Day Dreaming) کی سب سے مضر صورت وہ ہوتی ہے کہ جب لوگ حقیقتوں سے آنکھ چرا کر پناہ گاہ ڈھونڈھتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک ایسا نوجوان جو زندگی میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے مستقل جدوجہد کر رہا ہو لیکن اپنی اس کوشش میں برابر ناکام و نامراد رہے اور اس کو برابر جوتیں سہنا پڑیں تو ظاہر ہے وہ آخر کار ہمت ہار بیٹھے گا اور اپنے سکون کے لیے حقایق کا مقابلہ اور انھیں بدلنے کے بجائے وہمی صورت گری میں مبتلا ہو سکتا ہے وہ اپنے میٹھے سپنوں میں خیالی فتوحات حاصل کرتا رہے گا۔ دشمنوں تک سے خراج تحسین حاصل کرے گا۔ عارضی طور پر ایک ایسی دلکش دنیا میں اپنے کو پائے گا کہ جہاں سے لوٹنا مشکل معلوم ہو گا۔ اصطلاحی الفاظ میں اسی بات کو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس کا کومپلکس حقیقی ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لیے کومپلکس اور بیرونی حقیقت میں کشمکش پیدا ہوئی۔ دونوں متضاد قوتوں میں حقیقی مفاہمت پیدا کرنے کے بجائے وہ زندگی کے لیے جدوجہد چھوڑ دیتا ہے اور عارضی طور پر ایک خیالی دنیا میں پناہ لیتا ہے جہاں کومپلکس کو حقیقی دنیا سے متصادم ہوئے بغیر کارکردگی کا

موقع مل جاتا ہے۔

یہ صورت حال بہت عام ہے اور بہت لوگ کبھی کبھی حقیقی زندگی میں ناکام ہونے پر اپنی دل جوئی کے لیے اس قسم کی خوش خیالیوں کا سہارا ضرور لیتے ہیں لیکن یہی راستہ دیوانگی کی سرحدوں تک بھی لے جاتا ہے۔ پاگل خانوں میں اکثر مریض ایسے ملتے ہیں جن کی بنیشتر علامتوں کی اصل وجہ اسی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

معتدل انسان کو اس کا علم رہتا ہے کہ وہ خواب بیداری کا شکار ہے۔ اس طرح گرد و پیش کے حقائق سے اس کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ دیکھنے والوں کو وہ خالی الذہن اور کھویا کھویا سا اور ماحول سے بے نیاز نظر آتا ہے۔ لیکن اس میں، اس کی صلاحیت برقرار رہتی ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ خود کو حقائق کی دنیا میں واپس لا سکے۔ حالاں کہ اس کے لیے خاصی محنت کرنا پڑتی ہے۔ روزمرّہ کے حقائق سے اس کا رشتہ کسی حد تک ٹوٹ جاتا ہے لیکن وقتی اور نامکمل طور پر۔ لیکن اگر اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو ایسا مریض حقیقی دنیا سے بالکل ہی الگ تھلگ ہو کر صرف خام خیالیوں کے سہارے زندگی گزارہ دیتا ہے وہ ہر وقت اپنی خیالی دنیا میں رہتا ہے جہاں اس کے تمام کومپلکس اور ان کے سلسلے کی تمام خواہشات کی تکمیل بھدے بے ڈھنگے انداز طریقے سے ہوتی رہتی ہے۔ دیوانگی کی دو قسم کی علامتیں خاص کر اس نظام سے نمودار ہوتی ہیں۔ دونوں قسموں میں بڑی مماثلت ہے لیکن آسانی کے لیے ان کو الگ الگ بیان کرنا بہتر رہے گا۔

پہلی قسم میں 'خوابِ بیداری' کی کیفیت حد سے تجاوز کر جاتی ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات تیسرے باب میں ذہنی بیماریوں Dementia Emotional کے عنوان کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس مرض میں مبتلا انسان زندگی میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتا ہے اس کی نہ کوئی خواہش رہ جاتی ہے اور نہ کوئی حوصلہ، نہ مصروفیت۔ وہ تمام دن وارڈ کے ایک کونے میں تاثرات سے یکسر عاری چہرہ لیے، اپنے گرد و پیش سے بے خبر، خاموش بیٹھا دکھائی دیتا ہے۔ اگر اس کو بولنے پر مجبور کیا جائے تو شاید ایک آدھ لفظ کہہ دے، وہ اپنے والدین کی موت کی خبر بھی اسی سکون اور اطمینان سے سنے گا جس طرح وہ روزمرہ کا کھانا کھاتا ہے، سرسری طور پر دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ اس کی تمام دماغی صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں اور اس کے ذہن کے دبیز پردوں کے پیچھے جھانکنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ ذہن متحرک تو ہے لیکن اس کا فعلی اور عملی اظہار نہیں ہوتا ہے بلکہ ساری قوت خوش آئند خیالات کے تانے بانے بننے میں صرف ہو رہی ہے اور حقیقی دنیا کی ساری اہمیت ختم ہو چکی ہے۔

دوسری قسم کا مریض اپنے خیالات میں بڑی حد تک ڈوب جاتا ہے، یہاں خیالات و تصورات میں

حقیقت کا رنگ بھرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ وہ خود کو فاتح ہیرو، یا لکھ پتی سمجھتا ہے اس طرح اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کر لیتا ہے۔ نارمل آدمی دن میں دیکھے جانے والے خوابوں اور رات کو نظر آنے والے خواب کا فرق جانتا ہے لیکن ایک پاگل انسان اس حد کو پار کر چکا ہے۔ اس کے خواب بیداری واہمہ کی مدد سے جنونی مغالطہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جس کے ذریعے کو مپلکس کو اپنے اظہار کا شاندار موقع اور طریقہ ہاتھ آجاتا ہے یہاں حقائق سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا ہے اور اپنے مقاصد بہ آسانی حاصل کر لیے جاتے ہیں۔

یہ نظام جس کو نفسیات میں خواہشات کی تکمیل (Wish Fulfilment) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دیوانگی کے بیشتر مظاہر کی تشریح کرتا ہے۔ اس کی سب سے عام اور سادہ مثال منگنی کے ہیجان میں عام طور پر ایسی عورتوں میں دیکھنے کو ملتی ہے جن کی منگنی ٹوٹ جاتی ہے اور جو بے وفائی کا شکار ہو جاتی ہیں، اس صورت میں وہ تمام ارمان اور خواہشات جوان کی زندگی کا ماحصل بنے ہوئے تھے یکایک بے وقعت اور بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس شدید جذبے کے صدمہ کے اثر سے دیوانگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ عورت پر مکمل مدہوشی اور جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اس عالم میں وہ خیالی طور پر اپنی خواہشات کی تکمیل کر لیتی ہے اس کو خیال ہوتا ہے کہ اپنے منگیتر یا محبوب سے اس کی صلح صفائی ہوگئی ہے، شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بارات آئی اور شادی ہوئی اسی طرح خواب وخیال کی یہ کیفیت طول پکڑتی جاتی ہے۔ اور ایسی بہتیری تصویریں سامنے آتی رہتی ہیں جس میں شادی شدہ زندگی کے مناظر سے بڑی تفصیل اور حقیقی انداز میں اپنے کو گزرتا ہوا پاتی ہے۔

کچھ اور صورتوں میں اگرچہ اصالت وہی رہتی ہے مگر علامات کا انداز زیادہ ڈرامائی نہیں ہوتا۔ ذہن میں ایک مریضانہ رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور روزمرہ کی اکثر ناکامیاں خیالی طور پر نمایاں کامیابیوں کا روپ اختیار کر لیتی ہیں۔ مثلاً بے وفا محبوبہ کے لیے وہ سمجھتا ہے کہ وہ واقعی اس کی بیوی ہو چکی ہے اور اس کے پاس واپس آگئی ہے چونکہ ایسے خیالات حقائق سے مناسبت نہیں رکھتے ہیں اس لیے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے تاویل وتوجیہہ (Rationalization) اور چند ان ثانوی نوعیت کے مغالطوں سے کام لیا جاتا ہے جن کا ذکر باب ششم میں ہو چکا ہے۔

یہی نظام بیشتر اس پیچیدہ اور حیرت انگیز وہمی صورت گری کا سبب ہوتا ہے جس کے مریض دماغی اسپتالوں میں عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ میری ایک مریضہ خود کو ملکہ ایلیزبتھ کی نسل سے اور برطانیہ کے تاج کا جائز حقدار سمجھتی ہے جس کو "برطانیہ پر حکومت کرو" کا خطاب ملا ہے۔ اس کے ماتحت بے شما

نوج ہے۔ فی الحال وہ اپنے جنرلوں کو پورے یورپ پر ایک ساتھ حملہ کرنے کے احکامات صادر کرنے میں مصروف ہے۔ ان باتوں کے ساتھ ہی وہ بڑی تلخی سے اپنے خلاف کی جانے والی اس سازش کا ذکر کرتی جو مسٹر گیگ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس کو پاگل خانہ میں قید کر دیا گیا ہے اور اس کی تمام مراعات چھیننے کی کوشش ہو رہی ہے

پاگل ہونے سے پہلے یہ مریضہ بڑی محنتی گھریلو ملازمہ تھی جس کی زندگی میں مسلسل پریشانیوں اور دشواریوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس طبقہ میں رومانی ادب پڑھنے کا اثر اسی قسم کی خوش فہمیاں پیدا کرتا ہے۔ اس کیس میں ملازمہ کے دل خوش کن خواب بیداری پڑھتے پڑھتے اس صورت میں سامنے آتے ہیں ان خوش فہمیوں کو زندگی کے حقائق سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ذہن کے ایک حصہ میں محفوظ رہ کر اپنی شاندار وہمی صورت گری میں مصروف رہتی ہیں اور حقیقی دنیا میں محکوم ہونے کے بجائے مریضہ خیالی دنیا میں حاکم بن جاتی ہے۔ اس کیس میں خوش خیالی کی اہمیت زیادہ ہے۔ سازش وغیرہ کا مغالطہ تو ثانوی ہے جو اپنے خیالات کی سچائی ثابت کرنے کے لیے بطور توجیہ گڑھنا ضروری تھا۔

پاگل پن عام طور پر کومپلیکس اور خواہشات کے درمیان ہونے والے تصادم کے نتیجہ میں آخری حل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مریض خواہشات کی تکمیل ناموافق حالات یا ذاتی نااہلیت کی وجہ سے نہیں کر پاتا نتیجہ میں کومپلیکس اور حقائق میں تصادم ہوتا ہے ابتدائی حالت میں خوش آئند خیالات کے ذریعہ اس الجھن سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے اس میں تعقیم شعوری بھی مددگار ہوتی ہے جس کی وجہ سے . . . . حقائق سے کسی حد تک آنکھ چرانے میں مدد مل جاتی ہے۔ لیکن بالآخر حقیقتیں کھل ہی جاتی ہیں اور کومپلیکس مکمل طور پر شعور پر غالب آجاتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور طریقہ تصادم سے بچنے کا ہے حالاں کہ نوعیت و اثرات کے اعتبار سے وہ بھی مریضانہ ہی ہے، اس میں جب مریض کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل حقیقی معنوں میں کبھی نہ کر سکے گا تو وہ ان آرزوؤں اور امنگوں کو اپنی زندگی سے اس طرح خارج کرنے اور بھولنے کی کوشش کرتا ہے جیسے ان کا وجود رہا ہی نہ ہو۔ اور اپنے برتاؤ اور طور طریقوں سے ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے جیسے کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی ہو اور اس طرح وہ حقائق سے اپنا رشتہ قائم رکھتے ہوئے کومپلیکس کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔

کبھی مریض اس ناقابل برداشت کشمکش سے بچنے کے لیے ان دونوں طریقوں کو کام میں لاتا ہے۔ ایسے ایک کیس کا ذکر ڈاکٹر ینگ نے کیا ہے۔

ایک بے حد ذہین شخص، جو ماہر آثار قدیمہ تھا جس کی عمر تیس، چالیس کے درمیان رہی ہوگی، شدید ہیجانی جنون میں اسپتال لایا گیا۔ دیکھنے میں وہ کوتاہ قد نحیف ولاغر تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ بڑے مکروہ انداز میں ہکلاتا بھی تھا۔ اس کی ہسٹری یہ تھی کہ وہ بچپن سے ہی غیرمعمولی طور پر ذہین تھا۔ اس کو شروع سے ہی آثار قدیمہ کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، وہ یونیورسٹی کی تعلیم پوری کرنے کے بعد سائنسی مشاغل میں معروف ہوکر گوشہ نشین ہوگیا۔ آہستہ آہستہ اپنے دوستوں، اور سوسائٹی سے بالکل الگ تھلگ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ قطعی تارک الدنیا ہوکر رہ گیا۔ کچھ برسوں کے بعد وہ چھٹیوں کے سلسلے میں پھر اسی یونیورسٹی میں پہنچا۔ یہاں اس کا زیادہ وقت شہر کے گرد ونواح میں چہل قدمی کرتے گزرا۔ ایک روز اسی چہل قدمی کے دوران اس نے الجھن اور گھبراہٹ کی شکایت کی، بعد میں جوش کی حالت میں اضافہ ہوتا گیا جو بڑھتے بڑھتے شدید ہیجانی کیفیت میں بدل گیا جس کی وجہ سے اسپتال لے جانا پڑا۔ اسپتال میں وہ بڑا بدحواس نظر آرہا تھا اس کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے گفتگو بہت مختصر جملوں میں کر رہا تھا جو دوسروں کے لیے قطعی بے معنی تھے۔ اکثر اس پر تشدد کے دورے بھی پڑتے اور وہ اپنے آس پاس موجود لوگوں پر حملہ آور ہوجاتا۔ اس صورت میں اس کو متعدد لوگ مل کر بدقت تمام قابو میں کر پاتے تھے۔ بتدریج اس ہیجانی کیفیت میں کمی واقع ہوتی گئی اور ایک دن ایسا لگا جیسے مریض طویل خواب سے یکایک بیدار ہوگیا ہو۔ پھر بڑی سرعت کے ساتھ وہ معمول پر آتا گیا اور جلد ہی اس قابل ہوگیا کہ اس کو اسپتال سے چھٹی مل گئی۔ یہاں سے نکل کر وہ دوبارہ معمول کے مطابق اپنے کام میں مشغول ہوگیا اور آئندہ چند برسوں میں اس نے اعلیٰ درجہ کے متعدد علمی کام کیے۔ مگر اس کے تنہا سا اس کو پہلے سے زیادہ گوشہ نشین اور مردم بیزار پاتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد وہ پھر اسی یونیورسٹی میں پہنچا ہے اور اسی طرح گھومتا پھرتا ہے اور ایک دن وہ سڑک پر بے ہوش ہوکر گر پڑتا ہے، بعدازاں اسی طرح کی ہذیانی کیفیت اس پر طاری ہوجاتی ہے اور دوبارہ اس کو اسپتال لایا جاتا ہے، لیکن اس بار علامتیں پہلے سے بالکل مختلف تھیں۔ وہ پورے کمرے میں طرح طرح کے جمناسٹک کے کرتب دکھاتا۔ اپنے جسم کی خوب صورتی اور بے پناہ قوت کا ذکر کرتا، خود کو بڑا گویا کہتا اور خود ساختہ گانے گاتا جس میں محبت کا خوب خوب تذکرہ ہوتا۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت کم ہوتی گئی اور ڈاکٹر ینگ کے لیے اس کیس کی تشریح وتجزیہ ممکن ہوسکا۔

اگر ہم اس کیس میں مریض کی ہسٹری کا جائزہ ان حقائق کی روشنی میں کریں جو ہم کو نفسیاتی تجزیے سے حاصل ہوئے ہیں تو ہمارے لیے اس کیس کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ واقعہ دراصل یہ تھا کہ اس شخص کو جب وہ یونیورسٹی میں طالب علم تھا کسی خاتون سے محبت ہوگئی تھی۔ اور دونوں کا یہ

معمول تھا کہ وہ شہر کے گرد و نواح میں ساتھ ساتھ ٹہلنے جاتے تھے لیکن یہ شخص حیا اور اپنے بچکے پن چیز مندگی کی وجہ سے اپنے اصل جذبات کا اظہار کرنے سے قاصر رہا۔ اس کے علاوہ اس وقت مالی دقتوں کی وجہ سے شادی کرنے کا کوئی سوال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ یونیورسٹی سے روانہ ہو گیا اور پھر اس خاتون سے اس کی ملاقات کبھی نہ ہو سکی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے سنا کہ ان خاتون نے کسی سے شادی کر لی۔ اس کے بعد یہ شخص اپنے کام میں اور زیادہ تندہی سے مشغول ہو گیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اور چونکہ اس کی خواہشات یا کومپلکس کی حقیقی تکمیل اب ممکن نہیں رہ گئی تھی اس لیے اس نے پورے واقعہ کو فراموش کرنے یا کومپلکس دبانے کی کوشش کی۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ کومپلکس دبائے جانے کے بعد اپنا وجود کھو بیٹھے۔ دراصل وہ ذہن کے نہاں خانے میں غیر متحرک اور دبے پڑے رہتے ہیں اور کبھی کبھی مناسب موقع ملتے ہی وہ ان بالواسطہ طریقوں سے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ جن کا ذکر گزشتہ ابواب میں کیا جا چکا ہے۔ موجودہ کیس میں صورت حال بالکل اسی کے مطابق نظر آتی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ کچھ سال کی محنت شاقہ کے بعد مذکورہ نوجوان اس یونیورسٹی میں پہنچتا ہے اور چند روز کے بعد اس پر پہلا ہذیانی دورہ پڑتا ہے اس کی وجہ بالکل صاف ہے یعنی کومپلکس ابھر کر یکایک شعور پر قابض ہو جاتا ہے اس وقت مریض کا ذہن کچھ اس قسم کے خیالات کی آماجگاہ رہا ہوگا۔ بے ربط خواب کی سی کیفیت میں اس کو یہ محسوس ہوا ہوگا کہ ایک بڑی جنگ چھڑی ہوئی ہے اور وہ خود ایک ہیرو کی طرح دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کر رہا ہے اور بڑی ہوشیاری اور بڑے شاندار طریقے سے وہ اپنی فوج کی کمان سنبھالے ہے اور اس تمام مظاہرہ کو وہ خاتون بیٹھی دیکھ رہی ہے جو جنگ میں فتحیاب ہونے کے بعد اس کی ہو جائے گی، یہ وہ وقت تھا جب مریض اسپتال میں ملازموں وغیرہ پر حملہ کرتا تھا اور بہ مشکل قابو میں کیا جاتا تھا۔ دھیرے دھیرے یہ کیفیت کم ہوئی اور اب آخری فتح کی صورت میں دلھن سامنے آجاتی ہے اس موقع کے آتے ہی وہ ایک دم سے ہوشیار ہو جاتا ہے یعنی کومپلکس دوبارہ پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے اور وہ اپنے روزمرہ کے کاموں میں پہلے کی مانند مشغول ہو جاتا ہے۔

اس کیس کو دیکھنے کے بعد یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ سن بلوغت کے 'خواب بے داری' اور اس مریض کی ہذیانی کیفیت میں کتنی مماثلت موجود ہے فرق صرف تقسیم شعور کی کیفیت کا ہے۔ جس کی وجہ سے توہمات کی خلاقی بڑھ جاتی ہے اور خیالات پر شخصیت کا کنٹرول بالکل ختم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کومپلکس کو مکمل آزادی مل جاتی ہے۔

دوسرے دورہ میں جو پہلے دورہ کی طرح یونیورسٹی میں پہنچنے کے بعد ہی ہوا صورت حال ذرا مختلف

نظر آتی ہے۔ یہاں بھی کومپلیکس کا تعلق جنس کے ساتھ ہے لیکن خاص تعلق اس کی جسمانی کمزوریوں سے نظر آتا ہے اپنی ہکلاہٹ اور جسمانی خامیوں کی وجہ سے اس کو بڑی شرمندگی محسوس ہوتی تھی اور اس کی یہ دلی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ خامیاں دور ہو جائیں۔ دوسرے دورہ میں اس کومپلیکس کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس کی تمام جسمانی کمزوریاں غائب ہو جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف اب وہ بہت مضبوط ہے اور مختلف حیرت انگیز جسمانی کرتب دکھا سکتا ہے۔ اس کی آواز بہت بھدی تھی اور گانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ لیکن اب وہ بہترین گویا اور اوّل درجہ کا مقرر تھا۔ اس طرح اس کی تمام خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اس کیس کی نفسیاتی توضیح کچھ اس طرح کی جائے گی کہ شخص مذکور کے کومپلیکس اور اصل حقائق کے درمیان ایک گہری خلیج حائل تھی، یہ شخص دونوں کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش میں ناکام ہو جاتا ہے وقتہ وقتہ سے وہ حقیقت سے منہ موڑ کر کومپلیکس کے پیچھے بھاگتا ہے، یعنی وہ حقائق کو نظر انداز کر کے بیماریوں میں پناہ تلاش کر لیتا۔ لیکن ہذیانی کیفیت طاری ہونے سے پہلے وہ حقائق پر اپنی گرفت قائم رکھتا ہے اور کومپلیکس کو دبا لیتا ہے لہٰذا تصادم کی نوبت نہیں آنے پاتی تھی۔ لیکن ایسا کرنے میں اس کو اپنی جذباتی زندگی کا پورا ایک حصہ قربان کرنا پڑتا تھا اور اسی وجہ سے وہ انتہائی گوشہ نشین اور مردم بیزار ہو جاتا ہے

بہت سے مزمن امراض میں (جیسے گزشتہ صفحات میں مذکور اس عورت کا واقعہ جو اپنے کو برطانیہ کی ملکہ سمجھتی تھی) ہوش مندی کے یہ وقفے جس میں کومپلیکس کو کامیابی کے ساتھ دبا دیا جاتا ہے دیکھنے میں نہیں آتے ہیں یعنی یہاں مستقل طور پر کومپلیکس ہی کی حکمرانی ہوتی ہے اور خود ساختہ دنیا میں مریض کو ہر وہ چیز بخوبی حاصل ہو جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے اس صورت میں کومپلیکس (Degradation) کی طرف مائل ہو جاتا ہے مریض کے طور طریقوں میں زیادہ کجی دکھائی دیتی ہے اور گفتگو زیادہ بے معنی ہوتی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر یوں کہہ سکتے ہیں کہ تمام دماغی صلاحیتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار ذہن میں صرف اتنی صلاحیت باقی رہ جاتی ہے کہ وہ کومپلیکس کی شکست سے خاص تعلق رکھنے والا کوئی ایک مخصوص فعل ہی لگاتار کرتا رہے۔ مثلاً وہ عورت جو پاگل ہونے کے بعد سارا وقت فرضی جوتے سیتی رہتی تھی۔

ذہن و گفتگو کی تنزلی کیفیت بھی کچھ بندھے ٹکے اصول کے تحت وجود میں آتی ہے جس کا پتہ لگانے میں بڑی محنت کے بعد ینگ اور اس کے ساتھی کامیاب ہو سکے۔ یہاں جگہ کی تنگی کی وجہ سے ان کا تفصیلی ذکر ممکن نہیں ہے لیکن اتنا کہنا ضروری ہے کہ ان لوگوں کی انتھک کوششوں کی بدولت ایسے مریضوں کے انتہائی مہمل نظر آنے والی حرکات اور گفتگو بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور نفسیاتی تجزیہ کی مدد سے قابل فہم

بنائی جا سکتی ہے۔

موجودہ باب میں ایک اور نفسیاتی عمل کا تذکرہ برمحل اور سودمند ہوگا کیوں کہ اس کا تعلق بھی خیال صورت گری (Phantasy Construction) اور اس کی کارفرمائیوں سے خاصا گہرا ہے۔ اس عمل کا نام (Identification) مماثلت پیدا کرنا ہے۔ اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نارمل لوگوں پر بھی اس کا تھوڑا بہت اثر اکثر بیشتر دیکھنے میں آتا ہے۔ ہوتا دراصل یہ ہے کہ ہم میں کسی حقیقی یا خیالی انسان سے اس حد تک مماثلت و مطابقت پیدا کرتے ہیں کہ اس کی خواہشات، خوشیاں اور غم ہمیں اپنا محسوس ہونے لگتا ہے۔ جب تک یہ مماثلت قائم رہتی ہے ہم خود کو اس کی شخصیت کا ایک حصّہ سمجھتے رہتے ہیں اور اس کو اپنی ہستی کا ایک حصہ باور کر لیتے ہیں۔ اس کا اثر معتدل اور غیر معتدل دونوں ہی حالتوں میں دکھائی دیتا ہے بہت سے وہ مظاہر جو ہمدردی (Sympathy) کے تحت آتے ہیں وہ بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ اس تصور کی تشریح چند سادہ وضاحتی مثالوں سے کی جاتی ہے۔ سب سے اچھی مثال ہم کو سستی جذباتی یا رومانی ناولوں کے پڑھنے والوں میں ملتی ہے یہاں پڑھنے والا خود ایسی مماثلت و مطابقت دے بیٹھتا ہے کہ ہیرو کے خطر پسند مہمات میں بذات خود شامل ہو جاتا ہے، انھیں حالات سے گزرتا ہے کہ جس سے ہیرو کا سابقہ پڑتا ہے۔ وہ ہیروئن کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ایسی شادمانی میں زندگی گزارتا ہے۔ یہاں پیکر تراشی کی محنت اٹھائے بغیر قاری کے لیے خواب بیدار کا مواد یہ ناولیں مہیا کر دیتی ہیں اور اس کو خود کسی خیالی دنیا کی تعمیر کرنے کی زحمت نہیں اٹھانا پڑتی ہے۔

یہی حالت سستا جذباتی ڈراما (میلوڈراما) دیکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ دیکھنے والے خود کو گویا اسٹیج پر پہنچا دیتے ہیں اور اپنی پسند کے ہیرو اور ہیروئن میں اپنے کو بالکل ضم کر دیتے ہیں۔ فریب حقیقت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ڈرامے میں خواب بیدار کو موثر طریقے سے برسرِ عمل ہونے کا موقع بہ نسبت ناول کے زیادہ میسر آ جاتا ہے اسی لیے ڈرامے کی نسبتاً مقبولیت بھی زیادہ ہے۔ خواب بیدار کو اکسانے ہی کے لیے ڈراما نویس اس بات پر مجبور ہوتا ہے کہ ڈرامے میں نوابی کردار کثرت سے لائے جائیں، اور اس کا ماحول بھی آس پاس ہی کا دکھایا جاتا ہے تاکہ دلچسپی زیادہ سے زیادہ قائم رہے۔

بہترین ناولوں اور ڈراموں میں بھی یہ عمل نظر آتا ہے مگر یہاں نظام کارکردگی اتنا سادہ نہیں ہوتا ہے۔ ان میں پڑھنے والا خود کو صرف ہیرو یا ہیروئن کے ساتھ نہیں بلکہ تمام کرداروں سے مماثلت دینے لگتا ہے اور یہاں وہ اپنے کو مکمل اور مختلف جزوی خصوصیات کا عکس دیکھتا ہے۔ ناولوں میں اسے وہی کشاکش اور جدوجہد دکھائی دیتی ہے جس کا وہ خود اپنی زندگی میں تجربہ کرتا ہے۔ یہی بات اچھے ڈراموں میں بھی

ہوتی ہے۔ ایسی تصانیف کی پذیرائی نسبتاً محدود ہوتی ہے اس لیے کہ ان میں پہلے ہی سے یہ باور کر لیا جاتا ہے کہ مطالعہ ومشاہدہ کرنے والا ایسے پیچیدہ ذہنی عمل کا حامل ہے کہ جس سے من تو شدم کی کیفیت پیدا ہو سکے۔ یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ناول کے تمام نفسیاتی مظاہر کو صرف اس ایک عمل میں محدود کر دیا گیا ہو ہے بلکہ ان مختلف عناصر میں سے صرف ایک کا ذکر مقصود ہے کہ جن پر فنون لطیفہ کا انحصار ہوتا ہے۔

مماثلت (Identification) کا نظام بہت سے ایسے بے تکے افعال کی نشاندہی کرتا ہے جن کی ابتدا اور اصلیت سے خود انسان ناواقف ہوتا ہے۔ میرا ایک مریض بظاہر بلا سبب ایک ایسے مقدمے میں پھنس گیا جو اس کے جان پہچان والے شخص نے اپنی بیوی کے خلاف دائر کیا تھا اس مقدمہ میں اس کی دلچسپی اس حد تک بڑھی کہ وہ اپنے دوسرے مشاغل اور کاموں سے قطعی لاپرواہ ہوگیا۔ روپیہ پیسہ اور ہر ممکن طریقے سے وہ اس شخص کی مدد کرتا رہا تاکہ مقدمہ جیتا جا سکے۔ میرے پوچھنے پر کہ "آخر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟" اس کا جواب تھا محض دوستی اور انصاف کے لیے۔ لیکن دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ دوستی تو دور رہی یہ جان پہچان بھی صرف چند روزہ تھی اور جہاں تک انصاف کا سوال تھا تو اس میں بھی دوسرا فریق حق پر تھا۔ اس برتاؤ کا اصل سبب مریض کے نفسیاتی تجزیے سے ظاہر ہوا۔ حقیقت یہ تھی کہ خود اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان بھی سخت جھگڑا تھا۔ اور اسی وجہ سے لاشعوری طور پر وہ اس شخص کے ساتھ خود کو مماثل قرار دے بیٹھا یعنی بے خبری کی حالت میں وہ خود اپنے مقدمہ کی پیروی میں جی جان سے لگا ہوا تھا۔ اسی قسم کا واقعہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں جہاں دو غیر ملکیوں کے ساتھ بدسلوکی سے میرا ایک مریض بہت پریشان ہوگیا تھا۔

وہ تحریک جس کی وجہ سے انسان خود کو دوسرے سے مماثلت دینے لگتا ہے عام طور پر اس حقیقت پر مبنی ہوتی ہے کہ ایسے شخص میں کوئی ایسی خوبی یا اس کے ماحول کی کوئی ایسی اہم بات ہوتی ہے جس کو اپنے اندر دیکھنے کی خواہش اس شخص کو رہتی ہے جو اپنے کو مماثلت دے بیٹھتا ہے اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ کھیل میں 'بچہ' 'باپ' بن کے بڑا ہو جانے کی عجیب سی مسرت محسوس کرتا ہے۔ اس کی پیچیدہ صورت مختلف قسم کی ہسٹریائی علامتوں کے پیدا کرنے میں خاصا اہم رول ادا کرتی ہے اکثر یہ علامتیں اس لیے ظاہر ہوتی ہیں کہ انجانے میں انسان کبھی ایسے لوگوں سے خود کو مماثلت دینے لگتے ہیں جو کوئی جسمانی مرض رکھنے کے باوجود کچھ ایسے صفات کے بھی مالک ہوتے ہیں جو اس کو بہت اچھے لگتے ہیں اور وہ ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی شدید خواہش محسوس کرتا ہے۔ مثال کے طور پر خود میرا ایک ہسٹیریا کا مریض جس کو شدید دوران سر کی شکایت ہوتی تھی، انجانے میں اپنے کو باپ سے مماثلت دیتا تھا جو

کان کے مزمن مرض میں مبتلا تھا. واضح رہے کہ اس بیماری میں بھی دوران سر اکثر ہوتا ہے. خود کو مماثلت پیدا کرنے اور خواب بیداری میں جس کا ذکر اس باب کے شروع میں ہو چکا ہے. بڑا قریبی رشتہ موجود ہے. اس میں انسان جو چاہتا ہے وہ اپنے خواب بے داری میں اصل بنا کر دیکھ لیتا ہے. مثلاً اگر کسی ہیرو کو کسی جلوس کے ساتھ مداحوں کے درمیان چلتا ہوا دیکھے گا تو خود اپنے کو بھی کسی فتح کے جلوس میں مرکزی شخصیت قرار دے لے گا. اس قسم کے معمولی واقعات تک تو معاملہ غنیمت ہے لیکن جب مماثلت دینے کا خبط حد سے گزر جاتا ہے تو پھر ایسے شہنشاہوں، سپہ سالاروں اور عظمت کے نمائندوں کی آخری منزل پاگل خانہ ہی ثابت ہوتا ہے.

باب ۱۲ دوازدھم

کشمکش کی اہمیت

The Significance of Conflict

جن امور کا موجودہ کتاب میں جائزہ لیا گیا ہے اگر ہم ان پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان علاجی اصولوں پر غور کریں جو مفصل تفتیش کے سلسلے میں کارآمد ثابت ہوئے تو فوری طور پر یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ ان دعوؤں میں سے وہ طریقے زیادہ کامیاب ثابت ہوئے ہیں اور ان ہی سے قدم قدم پر سابقہ بھی پڑتا رہتا ہے۔ یعنی میں انتشار اور کشمکش یا تصادم کی صورت کا پیدا ہونا۔ ان کی اہمیت اور نوعیت کے پیش نظر ان کا ذکر زیادہ جامعیت کے ساتھ اگر عام نقطۂ نظر کا خیال رکھتے ہوئے کیا جائے تو یقیناً سودمند ثابت ہوگا۔

گزشتہ باب میں ہم یہ تو دیکھ ہی چکے ہیں کہ کس طرح خاصی بڑی تعداد میں پاگل پن کی مختلف علامتوں مثلاً مبالغہ اور وہمی مغالطے سے لے کر Phantasy خیالی دنیا جیسی پیچیدہ صورت حال کے پیدا کرنے میں شعوری انتشار کا کتنا اہم حصہ ہوتا ہے۔ اس میں ذہن ہم آہنگ اکائی کی صورت میں قائم نہیں رہتا ہے۔ جو معتدل شخصیت کی مثالی خصوصیت ہے، بلکہ اس کی وحدت ختم ہو کر کچھ مطلق العنان حصوں میں بٹ جاتی ہے جو ایک دوسرے اور مجموعی مفاد سے بالکل بے پرواہ اپنی اپنی راہ چل پڑتے ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس بے شیرازگی کی اصل وجہ، بلاشبہ کشمکش ہوتی ہے، متضاد عناصر کی موجودگی کی وجہ سے ذہنی اکائی کی صورت قائم نہیں رہ پاتی ہے۔ کشمکش کو برطرف کرنے کے لیے تقسیم شعور و انتشار ایک طریقہ کار کے طور پر نمودار ہوتے ہیں۔ بیالوجی کے مطابق یہ پناہ کا ایک قدرتی طریقہ ہے جنون کی علامتوں کو سمجھنے کے لیے صرف یہ جان لینا ہی کافی نہیں ہوتا ہے کہ ذہنی اکائی متاثر ہو چکی ہے، دراصل

یہ تو پہلا قدم ہے، اصل مرحلہ تو اس صورت حال کو پیدا کرنے والی کشمکش کا پتہ لگانا ہے۔

جنون کے پیدا کرنے میں ذہنی تصادم و کشمکش کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اس کی اہمیت کا صحیح طور پر تعین کرنا ماہر نفسیات اور سائنس کے نزدیک بہت اہم سوال ہے اور یقیناً مستقبل قریب میں اس کو اور اہمیت حاصل ہو جائے گی، اور اس سلسلہ میں بہت کچھ کام کیا جائے گا فی الحال اس کی اہمیت کو ٹھیک سے سمجھنا دشوار ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس کا بڑا حصہ قیاس پر مبنی ہے۔ پھر بھی یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ ہم ان نتائج پر دھیان دیں جو اب تک حاصل شدہ نتائج کی روشنی میں سامنے آئے ہیں اور جن کی مدد سے آئندہ بھی بہتر تحقیقی کام کیا جا سکے گا۔

گزشتہ ابواب میں ہمارا کام عام طور پر شخصی علامات کی وضاحت تک ہی محدود رہا ہے۔ اور اس وجہ سے ہم نے مریض کی عام دماغی کیفیت کی تشریح صرف اسی حد تک کی ہے جتنی کہ کسی خاص علامت کو بیان کرنے کے لیے ضروری تھی، اسی لیے اکثر اسباب و علامات کے سلسلے میں جس کشمکش، یا ٹکراؤ کا ذکر کیا گیا ہے وہ عام طور بہت معمولی اور سطحی نوعیت کی تھی۔ مزید برآں متعلقہ کومپلکس کے سلسلے میں بھی ذہن کے سطحی عناصر کی نشان دہی کی گئی تھی۔

جب تجزیہ زیادہ گہرائی کے ساتھ کیا گیا اور جب کسی مجموعی ذہنی حالت کو بیان کرنے کے لیے تفتیش کا دائرہ زیادہ وسیع کیا گیا تو بالآخر بنیادی اہمیت کی ایک کشمکش پردۂ خفا سے نمودار ہوئی جو کچھ ایسے اہم عناصر پر مبنی ہے جو نمودار ہونے والے اثرات سے نہ صرف مطابقت رکھتے ہیں بلکہ ہم کو ان بنیادی جبلتوں تک لے جاتے ہیں جو ذہن کے لیے سب سے اہم تحریک کا کام کرتی ہیں۔ ایک ایسی سرگرمی مشاہدہ میں آتی ہے جس میں یہ بنیادی جبلتیں اور ان کے سلسلے کی خواہشات وغیرہ یا تو آپس میں متصادم نظر آتی ہیں یا پھر ان خواہشات و رجحانات کو ماحول اور حالات سے مناسبت نہ رکھنے کی وجہ سے خود مریض دبا کر کچل رہا ہے۔ ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کشمکش کی یہی دو صورتیں عام طور پر پاگل پن کی علامتوں کے ظہور کی ذمہ دار بھی ہوتی ہیں۔

ان جبلتوں میں فرائڈ ذہنی بیماریوں کی زیادہ تر صورتوں کا اصل ذمہ دار جنسی جبلت کو قرار دیتا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ یہ جبلت بے پناہ قوت کی مالک ہے اور اس کے اور سماج کے درمیانی ٹکراؤ کی وجہ سے نتیجہ لازمی طور پر ذہنی تناؤ اور بے ربطی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کی شدت اکثر و بیشتر دیوانگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس جبلت کی اہمیت کو ماننے کے باوجود عام طور پر مستند ماہرین فرائڈ کے جنسی نظریہ کو بطور ایک کلیہ کے ماننے پر تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ کے حق میں جو ثبوت پیش کیے جاتے

ہیں وہ بھی مکمل طور پر اطمینان بخش قرار نہیں دیے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ فرائڈ نے جنسیت کو بہت وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ پھر بھی یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ فرائڈ کا نظریہ اطمینان بخش طور پر قائم کیا گیا ہے۔

فی الحال اس امر کو تسلیم کر لینا زیادہ محفوظ اور قرین قیاس ہے کہ ان ذہنی کشمکشوں کا تعلق کچھ ایسے عناصر سے ہونا ممکن ہے جن کا تعلق بنیادی جبلی قوتوں میں سے کسی سے ہو۔ بشرطیکہ ان عناصر میں کافی حد تک شدت بھی موجود ہو۔ ہم یہ بات تو مان سکتے ہیں کہ جنس بہت اہم کردار ادا کرتی ہے لیکن ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ اکثر ٹکراؤ یا تصادم کی صورتوں میں دوسرے قسم کے ذہنی عناصر بھی ذمہ دار پائے جاتے ہیں

ان اہم بنیادی جبلتوں میں جن کی پیدا کردہ متصادم قوتیں ذہنی خلل کی ذمہ دار قرار دی جا سکتی ہیں۔ ان میں گروہی جبلت Herd Instinct یعنی سماج میں رہنے کی خواہش کو ایک نمایاں مقام دیا جانا لازمی ہے۔ اس کا ذکر دسویں باب میں کیا جا چکا ہے کہ انسان کے اعتقادات اور طرز زندگی کے مختلف پہلو کس طرح اس جبلت کی کارکردگی سے متاثر ہوتے ہیں۔ رسم و رواج اور تعلیم کے طریقے وغیرہ عام طور پر اپنی قوت اسی سے حاصل کرتے ہیں کسی مخصوص طبقہ کے طور طریقے۔ اخلاق اور برتاؤ وغیرہ کا نظام بھی اس کے ماتحت آتا ہے اور اس مخصوص طبقہ کے لوگ جبلی انداز میں اسی کے مطابق سوچتے اور عمل کرتے ہیں۔ چاہے مل جل کر رہنے کی اس جبلت کے ذریعے جو نظام بن کر تیار ہوتا ہے اس کی کوئی منطقی حیثیت نہ ہو، اور وہ زندگی کے عام تجربات پر پورا نہ اترتا ہو یا پھر کچھ دیگر بنیادی جبلتوں کے مفاد کے خلاف کام کرتا ہو۔ یہ صورت جنس کے معاملہ میں بہت نمایاں ہو جاتی ہے کیونکہ ان قوتوں پر مخالف اخلاقی تعلیم اور رسم و رواج کے میلان سے بڑی حد تک رکاوٹ لگی رہتی ہے۔

اب فوری طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ ان بنیادی جبلتوں اور ان اعتقادات اور دیگر سماجی طور طریقوں اور قاعدوں کے درمیان جنھیں گروہی جبلت عائد کر دیتی ہے تصادم کے وقوع پذیر ہونے کا بڑا موقع رہتا ہے چونکہ دونوں طرف کے متعلقہ عناصر میں جذباتیت کو بڑا دخل ہوتا ہے اس لیے تصادم سے دماغی خلل کے ان مظاہر کے پیدا ہونے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے جن کا کہ گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکا ہے۔ ٹراٹر (Trotter) نے بنیادی جبلتوں اور گروہی جبلت (جن کا اس نے ان مضامین میں پورا جائزہ لیا ہے کہ جن کا حوالہ گزشتہ باب میں گزر چکا ہے) کے درمیان ہونے والے ٹکراؤ اور ذہن کے لیے ان کی اہمیت کی طرف خصوصی نشاندہی کی ہے اس نے اس طرح نمودار ہونے والی ذہنی پراگندگی کی مختلف صورتوں مظاہر اور پڑنے والے اثر کا بھی ذکر کیا ہے اس کے کہنے کے مطابق پاگل پن کا ایک بڑا حصہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے لیکن اس کے اثرات کہاں تک پہنچتے ہیں، اس کا قطعی تعین ابھی تک نہیں

ہوتا ہے لیکن اس میں وہ بہت سی حالتیں بھی شامل ہیں جن میں اعصابی نظام کی وظائف کارکردگی سے متعلق امراض بھی آتے ہیں، اس کے علاوہ بھی ذہنی پراگندگی کی بہت سی صورتوں کا اصل سبب اسی ٹکراؤ کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ حالاں کہ ان صورتوں کی صحیح تشخیص کرنا بھی مشکل ہے، کیوں کہ اس کے لیے بڑے تفصیلی جائزہ اور تفتیش کی ضرورت ہوگی۔

گزشتہ ابواب میں ہم جنون کی ایسی بہت سی مثالوں کا ذکر کرچکے ہیں جو حقیقی ماحول و حالات کے درمیان ہونے والی کشمکش کے نتیجہ میں نمودار ہوئی تھیں اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جنون کی علامتیں ٹکراؤ سے بچنے کا ایک حیاتیاتی ردعمل تھیں جن کا مقصد ناقابل برداشت کشمکش سے تحفظ تھا۔ دیوانگی کی حالت میں حقیقی ماحول سے قطعی بے نیاز ہونا اور اپنی خیالی دنیا پیدا کرنا ایک ایسی پناہ گاہ کی جستجو ہے جس میں شعور سے بچ کر کومپلکس کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا فراہم ہو۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ عام طور پر شعور سے خارج کردہ افعال کا تعلق اسی گروہی جبلت سے ہوتا ہے انسان مدنیت کے تقاضوں کو برطرف کرکے سماج سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور اس کے لیے مل جل کر اور سماج کا ایک عنصر بن کر زندگی بسر کرنے کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اس کی معمولی اور ابتدائی صورت میں اپنے ساتھیوں وغیرہ کے معاملات میں اس کی دلچسپی کم ہوجاتی ہے، وہ تنہائی پسند ہوجاتا ہے اور عام طور پر برتے جانے والے طور طریقوں کی طرف دھیان نہیں دیتا ہے۔ بعدازیں اپنی انتہائی شکل میں یہ کیفیت سماجی زندگی سے بالکل علاحدگی اختیار کرنے پر مجبور کردیتی ہے اور انسان اخلاقی طور پر گرتا ہی چلا جاتا ہے، اور وہ بے غیرت، گندہ کثیف، اور ذلیل ہوجاتا ہے۔ اس تصور میں جہاں گروہی جبلت کی مکمل نفی دکھائی دیتی ہے جنون کے مزمن مریضوں کے خط وخال بآسانی دیکھے جاسکتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ مفروضہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ۔۔ اس بنیادی نظام کا جو عام طور پر دماغی خلل پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے، سبب اسی گروہی جبلت کا کچلا اور دبایا جانا ہے جس میں انسان دوسری بنیادی جبلتوں اور گروہی جبلت میں تصادم سے بچنے کے لیے گوشہ گیر ہوکر ایک توہماتی اور طلسماتی دنیا بسا لیتا ہے اگر اس مفروضہ کو درست مان لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس طرح شعور کی وحدت کو بکھرنے سے روک سکتے ہیں؟ یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کا انتشار کسی شخص کی دماغی بناوٹ کی ہی خصوصیت ہو اگر ایسا ہو تو پھر اس کا سماجی تدارک توالد و تناسل میں انتخابی طریقہ اختیار کرکے ہی ممکن ہوسکے گا بشرطیکہ اس سے اور دوسری خرابیاں نہ نمودار ہوجائیں۔ ساتھ ہی اس کا بھی امکان ہے کہ مستقبل میں یہ ثابت ہوجائے کہ اصل ذمہ داری انتشار پر نہیں ہے بلکہ ذمہ دار۔۔ وہ کشمکش ہے جس نے انتشار پیدا کیا ہے اس صورت میں تو صرف ایک ہی حل ممکن ہے، یعنی مخالف قوتوں میں سے کسی ایک کو تبدیل کیا جائے۔ بنیادی جبلتوں کی تبدیلی تو ممکن نہیں ہے

اس لیے سماج کے ان روایات وضوابط پر ہی وار کرنا ہوگا جو اپنی قوت اسی گروہی جبلت سے حاصل کرتے ہیں
اگرچہ موجودہ حالات میں ہماری معلومات محض قیاس پر ہی مبنی ہیں، لیکن آئندہ تحقیقات کے لیے ممکنہ وسیع میدان مہیا کرتی ہیں۔ اتنا کہنا لازمی ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جو انتخابی توالد و تناسل کے بڑے حامی ہیں ان کو قدم اٹھانے میں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے یہ خیال خود ہی سرے سے غلط ثابت ہوکر انسان کو سماج کی عاید کردہ پابندیوں کے دائرہ میں بڑی سختی سے زندگی بسر کرنا چاہیے۔ ورنہ اس کو سماج سے خارج کردیا جائے گا۔ اس کا امکان بھی موجود ہے کہ جنون کی وجہ جزوی یا مکمل طور پر انسان کی اپنی اندرونی خرابیاں نہ ہوں بلکہ اس کا سبب وہ ماحول اور حالات ہوں جس میں اس شخص کو لازماً رہنا پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مستقبل یہ فیصلہ کرے کہ انسان کو شہر بدر نہیں کرنا ہے بلکہ خود ماحول اور حالات میں تبدیلی پیدا کرنا ہے۔

حوالہ جاتی کتابیں

کتابوں کی یہ فہرست قاری کے لیے آئندہ مطالعہ میں آسانی پیدا کرنے کے خیال سے دی جا رہی ہے۔ اس میں صرف انگریزی زبان کی کتابیں ہی شامل کی گئی ہیں اور یہ کسی حال میں بھی مکمل فہرست نہیں کہی جا سکتی ہے۔

General

B. Hart. Psychopathology. Cambridge, 1927.

P. Janet. Psychological Healing. London, 1925.

T. W. Mitchell. The Psychology of Medicine. London, 1927.

M. Prince. "The Dissociation of a Personality. New York, 1906.

T. A. Ross. The Common Neuroses. London, 1923.

A. G. Tansley. The New Psychology. 2nd edition. London, 1922.

W. Trotter. Instincts of the Herd in Peace & War. London, 1916.

Freud School

S. Freud. The Interpretation of Dreams. 3rd Edition. London, 1913.

S. Freud. Introductory Lectures of Psychoanalysis. London, 1922.

E. Jones. Treatment of the Neuroses. London, 1920.

Papers on Psychoanalysis. 3rd Ed. London, 1923.

Psychoanalysis. Benn's Sixpenny Library. London, 1928.

Jung School

C. G. Jung. Analytical Psychology. 2nd Ed. London, 1917.

. Psychological Types. London, 1923.

. Contributions to Analytical Psy. London, 1928.

Adler School

A. Adler. The Neurotic Constitution. London, 1927.

. Practice and Theory of Individual Psy. London, 1924.

. Problems of Neurosis. London, 1929.

اصطلاحات

Abnormal.	مخبوط الحواس، پاگل، غیر معتدل
Abnormal Psychology	پاگلوں کی نفسیات
Amnesia	بھول جانے کی بیماری
Apathy	سرد مہری، بے تعلق
Conflict	کشمکش، تصادم
Complexes	ذہنی پیچیدگیاں
Conscious process	شعوری عمل
Day Dreaming	خواب بیداری (خیالی پلاؤ)
Delusion	مغالطہ، فریب، سوء فہم
Delusion of Persecution	نقصان پہنچائے جانے کے فریب میں مبتلا ہونا
Depression.	افسردگی
Dissociation	تقسیم شعوری، انتشار شعور
Double personality	دوہری شخصیت
Ego	ایگو
Emotional dementia	جذباتی بیماری یا انتشار
Excitement	جوش
Fore Conscious	تحت الشعور
Grandiose	احساس برتری، تمکنت
Hallucination	وہم، دھوکا، مغالطہ، وہمی مغالطہ
Hypothesis	مفروضہ
Identification	مماثلت
Illusion	دھوکا
Insanity	دیوانگی، جنون

Instinct	جبلت
Introspection	درون بینی
Libido	لبائڈو
Lunatic	دیوانہ
Neurotic disorder	اعصابی دماغی خرابی
Obsession	خبط
Phantasy	خیالی، تصوراتی، ذہنی صورت گری
Phenomena	مظاہر
Physiological Conception	عضویاتی نظریہ
Projection	انعکاس
Psychological Conception	نفسیاتی نظریہ
Psychopathology	نفسیاتی علم تشخیص الامراض
Qualitative	کیفیتی
Quantitative	کمیتی
Rationalization	تاویل، توجیہہ
Reaction Word	ردِّ عمل کے طور پر دیے گئے الفاظ
Reaction	ردِّ عمل
Reaction time	ردِّ عمل کا وقفہ
Repression	دبانا، کچلنا
Resistence	مقابلہ، رکاوٹ، مدافعت
Secondary delusion	ثانوی سوءِ فہم و مغالطہ
Self Assertion	خودنمائی، خود ادعائی
Somnombolism	نیند میں چلنے کی بیماری
Stimulus	محرک، مہیج
Suggestion	ترغیبی اثر آفرینی
Unconscious	لاشعور
Washing Mania	ہاتھ دھوتے رہنے کی بیماری

ہماری مطبوعات

کتاب	مصنف / مترجم	قیمت
ابتدائی علم شہریت	ایس، این، چٹوپادھیائے / شریف الحسن نقوی	4/55
اسلامی تہذیب و تمدن	عمادالحسن آزاد فاروقی	14/=
اسلامی سماج	ریوبن لیوی / ڈاکٹر مشیر الحق	60/=
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو ایچ مورلینڈ / جمال محمد صدیقی	21/50
البیرونی کے جغرافیائی نظریات	ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی	11/=
انقلاب ۱۸۵۷ء (تیسری طباعت)	مرتب: پی۔ سی۔ جوشی	75/=
انقلاب فرانس (دوسری طباعت)	جے۔ ایم۔ تھامپسن / ڈاکٹر محمود حسین	140/=
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	28/=
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	14/=
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	36/=
تاریخ آصفی	مرزا ابوطالب / ڈاکٹر ثروت علی	10/=
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	10/50
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ اول) (دوسری طباعت)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	103/=
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ دوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	زیر طبع
تاریخ تحریک آزادیٔ ہند (حصہ سوم)	ڈاکٹر تاراچند / قاضی محمد عدیل عباسی	75/=

تحریک آزادیٔ ہند	ظہور محمد خاں	2/25
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی	65/=
ہندوستان میں مسلم حکومت کی اساس	اے۔ بی۔ ایم۔ حبیب اللہ / مسعود الحسن	25/=
یورپ کے عظیم سیاسی مفکرین (دوسری طباعت)	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	89/=
جدید ہندوستان کے معمار	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آرر / ڈاکٹر قیام الدین احمد	14/=
جغرافیہ کی ماہیت اور اس کا مقصد	ایس۔ ڈبلیو وولرج / انیس احمد صدیقی	19/=
جدید ہندوستان کے سماجی وسیاسی افکار	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	47/=
جنوبی ہند کی تاریخ زمانہ ما قبل تاریخ سے وجیہ نگر کے زوال تک (دوسری طباعت)	آئی۔ سی۔ ایچ۔ آرر / آر۔ کے۔ بھٹناگر	114/=
چولا راجگان	شریمتی ریدمن سیٹھی	60/=
حکومت اور آئین	مترجم ڈاکٹر قیصر شمیم	2/=
حیدر علی (دوسری طباعت)	نریندر کرشن سنہار / اقتدار حسین صدیقی	72/=
خلجی خاندان (دوسری طباعت)	کے۔ ایس۔ لال / محمد یٰسین مظہر صدیقی	88/=
دکن کی قدیم تاریخ	پروفیسر یزدانی	49/=
دکن کے بہمنی سلاطین (تیسری طباعت)	ہارون خاں شیروانی / رحم علی الہاشمی	88/=
رنجیت سنگھ	نریندر کرشن سنہار کیلاش چندر چودھری	9/25